مسٹر معین الدین

منہ سے کبھی جدا نہ ہونے والا سگار ایش ٹرے میں پڑا ہلکا ہلکا دھواں دے رہا تھا۔ پاس ہی مسٹر معین الدین آرام کرسی پر بیٹھے ایک ہاتھ اپنے چوڑے ماتھے پر رکھے سوچ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اس کے عادی نہیں تھے۔ آمدنی معقول تھی۔ کراچی شہر میں ان کی موٹروں کی دوکان سب سے بڑی تھی۔ اس کے علاوہ سوسائٹی کے اونچے حلقوں میں ان کا بڑا نام تھا۔ کئی کلبوں کے ممبر تھے۔ بڑی بڑی پارٹیوں میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ لڑکا انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ لڑکی بہت کمسن تھی۔ لیکن بہت ذہین اور خوبصورت، وہ اس طرف سے بھی بالکل مطمئن تھے۔ لیکن اپنی بیوی، مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسٹر معین الدین کی شادی کے متعلق چند ضروری باتیں بتا دی جائیں۔

فہرست

۱ -	مسٹر معین الدین	۵
۲ -	شادی	۱۸
۳ -	پھس پھسی کہانی	۳۹
۴ -	پھندنے	۵۵
۵ -	کٹاری	۶۸

مسٹر معین الدین کے والد بمبئی میں ریشم کے بہت بڑے بیوپاری تھے یوں تو وہ رہنے والے لاہور کے تھے۔ مگر کاروباری سلسلے کے باعث وہ بمبئی ہی میں مقیم ہو گئے تھے۔ اور یہی ان کا وطن بن گیا تھا معین الدین جو اُن کا اکلوتا لڑکا تھا۔ بظاہر عاشق مزاج نہیں تھا۔ لیکن معلوم نہیں کہ وہ کیسے اور کیونکر آدم جی باٹلی والا کی موٹی موٹی غلافی آنکھوں والی لڑکی پر فریفتہ ہو گیا، لڑکی بھی جس کا نام زہرہ تھا معین سے محبت کرتی تھی۔ مگر شادی میں کئی مشکلات حائل تھیں۔ آدم جی باٹلی والا جو معین کے والد کا پڑوسی اور دوست بھی تھا۔ بڑے پرانے خیالات کا بوہرہ تھا، وہ اپنی لڑکی کی شادی اپنے فرقے میں ہی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ زہرہ اور معین کا معاشقہ بہت دیر تک بے نتیجہ چلتا رہا۔ اسی دوران میں معین کے والد کا انتقال ہو گیا، ماں بہت پہلے مر چکی تھی۔ اب کاروبار کا سارا بوجھ معین کے کاندھوں پر آن پڑا۔ جس سے اس کو کوئی رغبت نہیں تھی اُدھر زہرہ کی محبت بھی تھی جو کسی حیلے بارآور ثابت ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ پھر ہندو مسلم فسادات تھے۔ معین ایک عجیب گڑبڑ میں گرفتار تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے، کیا نہ کرے۔ بے سوچے سمجھے ایک دن اُس نے فیصلہ کیا کہ اپنا کاروبار سمیٹ کر اس کو کسی اچھے گاہک کے پاس بیچ ڈالے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اور اپنا سارا روپیہ کراچی کے بنک میں جمع کرا دیا۔ اور زہرہ سے مل کر اُس نے اپنے ارادے کا اظہار کیا کہ وہ بمبئی چھوڑ کر کراچی جانا چاہتا ہے۔ مگر اکیلا نہیں۔ زہرہ اس کے ساتھ ہو گی۔

زہرہ فوراً مان گئی۔ ایک ہفتہ کے بعد دونوں میاں بیوی بن کر کراچی کے

ایک خوبصورت ہوٹل میں تھے۔ بمبئی میں زہرہ کے والدین پر کیا گزری اس کا انہیں کچھ علم نہیں تھا۔ اور نہ انہیں اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے کی خواہش ہی تھی۔ دونوں اپنی محبت کی پیاس بجھانے میں مگن تھے۔ ان کو اس اہم حادثہ کی بھی خبر نہیں تھی۔ کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔

بہرحال جب لاکھوں انسانوں کا خون فرقہ وارانہ فسادات میں پانی کی طرح بہہ گیا اور کراچی میں پاکستان کے قیام کی خوشی میں چراغاں ہوا تو مسٹر معین اور مسز معین کو معلوم ہوا کہ وہ پاکستان میں ہیں۔ اور مسٹر آدم بھائی باٹلی والا اور مسز آدم بھائی باٹلی والا ہندوستان میں۔ وہ بہت خوش ہوگئے۔ کہ وہ اب محفوظ تھے۔ جب افراط و تفریط کا عالم کسی قدر کم ہوا۔ تو مسٹر معین نے اپنے بمبئی کے کاروبار کے حوالہ سے ایک بہت بڑی دکان اپنے نام الاٹ کرالی اور اس میں موٹروں کا کاروبار شروع کر دیا۔ جو چند برسوں میں چل نکلا۔ اس دوران میں اُن کے یہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا جب چار برس کا ہوا تو انہوں نے اس کو اپنے ایک دوست کے حوالہ کر دیا۔ جو انگلستان جا رہا تھا۔ مسٹر معین چاہتے تھے کہ اس کی تربیت وہیں ہو۔ کیونکہ کراچی کی فضا ان کے نزدیک بڑی گندی تھی۔ لڑکی جو اپنے بھائی سے ایک برس چھوٹی تھی گھر ہی میں کھیلتی کودتی رہتی تھی۔ اس کے لئے مسٹر معین نے ایک انگریز نرس مقرر کر رکھی تھی۔ اس بات پر زیادہ زور دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کہ مسٹر معین کو اپنی بیوی سے بے پناہ محبت تھی۔ طبعاً وہ کم گو اور شریف طبیعت تھے۔ وہ زہرہ سے جب اپنی محبت کا اظہار کرتے تو بڑے مدھم سروں میں، بڑے وضع دار قسم کے

آدمی تھے۔ کلبوں میں جاتے، زہرہ اُن کے ساتھ ہوتی، مگر وہ دوسرے ممبروں کی طرح بے وجہ ہنسی قہقہوں میں کبھی شامل نہ ہوتے۔ وسکی کے دو پیگ آہستہ آہستہ پیتے۔ جیسے کوئی فرض ادا کر رہے ہیں۔ ناچ شروع ہوتا تو زہرہ کے ساتھ تھوڑی دیر ناچ کر گھر واپس چلے آتے۔ جو انہوں نے ایک ہندو سے کراچی آنے کے بعد خرید لیا تھا۔

زہرہ کبھی کبھی اپنے خاوند کی اجازت سے دوسروں کے ساتھ بھی ناچ لیتی تھی۔ اس میں مسٹر معین کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ زہرہ ان کے ایک دوست مسٹر احسن سے جو ادھیڑ عمر کے بہت بڑے اور مالدار تاجر تھے۔ ضرورت سے زیادہ التفات برت رہی ہے۔ تو ان کو بڑی الجھن ہوئی۔ مگر انہوں نے زہرہ پر اس کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سوچتے تھے کہ احسن اور زہرہ میں عمر کا اتنا تفاوت ہے، پھر وہ دو بچوں کی ماں ہے یہ صرف رقابت کا جذبہ ہے جو ان کی اپنی محبت کی پیداوار ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تھی، کہ سوسائٹی کے جن اونچے حلقوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا اس میں بیویوں سے غیر مردوں کے التفات کو بری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ اسے فیشن سمجھا جاتا تھا کہ ایک کی بیوی کسی دوسرے کے ساتھ ناچے اور اس کی بیوی پہلے کے شوہر کیساتھ، ایسی ادلا بدلی عام تھی۔

پہلے مسٹر احسن گاہے گاہے جب کوئی پارٹی دی گئی ہو، مسٹر معین کے ہاں آیا کرتے تھے، مگر کچھ عرصہ سے ان کا باقاعدہ آنا جانا شروع ہو گیا تھا۔ ان کی غیر حاضری میں بھی وہ آ جاتے اور گھنٹوں زہرہ کے پاس بیٹھے رہتے۔ یہ انہیں اپنے

ملازموں سے معلوم ہوا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے زہرہ سے کچھ نہ کہا۔ دراصل ان کی زبان پر ایسے الفاظ آتے ہی نہیں تھے۔ جن سے وہ شکوک کا اظہار کریں۔ وہ مجبور تھے۔ اس لئے کہ ان کی پرورش ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں ایسے معاملوں میں لب کشائی معیوب خیال کی جاتی ہے۔ روشن خیالی کا یہی تقاضا تھا کہ وہ خاموش رہیں۔

یوں تو انہوں نے ایک بڑے معرکہ کا عشق کیا تھا مگر دماغ ان کا تاجرانہ تھا۔ دل اور دماغ میں کوئی اتنا بڑا فاصلہ تو نہیں ہوتا، مگر موٹروں کا کاروبار کرتے کرتے اور دولت کے انبار سمیٹتے سمیٹتے بہت سا چاندی سونا ان دونوں کے درمیان ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ جھگڑے ٹنٹوں سے انہیں نفرت تھی۔ وہ خاموش زندگی بسر کرنے کے قائل تھے۔ جس میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔

لڑکی تھی وہ اپنی انگریز نرس کے ساتھ کھیلتی رہتی تھی۔ جب ان کے دل میں اس کا پیار اُبھرتا تو وہ اُسے اپنے پاس بلا کر کچھ عرصے کے لئے اپنی گود میں بٹھاتے اور انگریزی میں پیار کر کے اُسے پھر نرس کے حوالہ کر دیتے۔

جب کاروبار سے فارغ ہو کر گھر آتے تو زہرہ کے ہونٹوں کا بوسہ لیتے اور ڈنر کھانے میں مشغول ہو جاتے۔ اگر مسٹر احسن ان سے پہلے وہاں موجود ہوتے تو وہ ان کو بھی ڈنر میں شامل کر لیتے۔ ایسے موقعوں پر ضرورت بے ضرورت زہرہ مسٹر احسن کی خاطر داری کرتی۔ ان کی پلیٹ مختلف سالنوں سے بھر دیتی۔ اور ان کو بہت محبت بھرے انداز میں مجبور کرتی، کہ وہ تکلف نہ کریں۔

جب وہ زہرہ کا یہ ناروا التفات دیکھتے تو ان کے دل اور دماغ کے درمیان

سونے چاندی کے ڈھیر پگھل سے جاتے۔ اور دونوں آپس میں سرگوشیاں کرنا شروع کر دیتے۔

مسٹر احسن رنڈوے تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ کراچی میں موتیوں کے سب سے بڑے تاجر تھے۔ کروڑ پتی۔ ہر سال مسٹر معین سے موٹروں کے نئے ماڈل خریدتے تھے۔ زہرہ کی سالگرہ پر انہوں نے دو بڑے قیمتی ہار تحفے کے طور پر دیئے تھے۔ جب مسٹر معین نے انہیں قبول کرنے سے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں انکار کیا تھا تو مسٹر احسن نے کہا تھا:۔

"مجھے صدمہ ہوگا اگر یہ ہار مسز معین کے گلے کی زینت نہ بنے"

یہ سن کر زہرہ نے دونوں ہار اٹھا کر مسٹر احسن کو دے دیئے اور انہیں کہا "لیجئے آپ اپنے ہاتھوں سے پہنا دیجئے"۔

جب ہار زہرہ کے گلے میں پہنا دیئے گئے، تو بدرجہ مجبوری مسٹر معین کو اپنے دوست مسٹر احسن کی ہاں میں ہاں ملانا پڑی کہ بحیرہ عرب کے پانیوں میں سیپیوں نے ان ہاروں کے موتی خاص طور پر زہرہ ہی کیلئے پیدا کئے تھے۔

ایش ٹرے میں رکھا ہوا سگار آہستہ آہستہ سلگ کر نصف کے قریب خاکستر اور سفید راکھ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ پاس ہی آرام کرسی پر مسٹر معین، اسی طرح اپنے چوڑے ماتھے پر ایک ہاتھ رکھے گہری سوچ میں غرق تھے۔ وہ اتنا غور و فکر کبھی نہ کرتے مگر اب ان کی عزت کا سوال درپیش تھا۔ آج انہوں نے اپنے کانوں سے ایک ایسا مکالمہ سنا تھا، ظاہر ہے کہ زہرہ اور احسن کے درمیان حسن نے سکون پسند طبیعت کو درہم برہم کر دیا تھا۔

چوڑے ماتھے پر ہاتھ رکھے وہ کسی گہری سوچ میں غرق نہیں تھے۔ ان کے کان بار بار وہ مکالمہ سن رہے تھے جو ان کی بیوی اور ان کے دوست کے درمیان بڑے کمرہ میں ہوا تھا۔

دوکان میں ایک موٹر کا سودا کرتے کرتے ان کی طبیعت اچانک ناساز ہوگئی۔ چنانچہ یہ کام منیجر کے حوالہ کر کے وہ گھر روانہ ہوگئے۔ تاکہ آرام کریں۔ کریپ سول شو پہنے تھے۔ اس لئے کوئی آہٹ نہ ہوئی۔ دروازے کے پاس پہنچے تو انہیں زہرہ کی آواز سنائی دی۔

"احسن صاحب میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ کہ میں ان سے طلاق حاصل کر لونگی ——"

احسن بولے "مگر کیسے —— کیونکر؟"

"میں آپ سے کئی بار کہہ چکی ہوں۔ کہ وہ میری کوئی بات نہیں ٹالیں گے۔"

"تعجب ہے۔"

"اس میں تعجب ... کی کیا بات ہے۔ وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے آج تک میری ہر فرمائش پوری کی ہے۔ میں اگر ان سے کہوں کہ ان پانچ منزلوں سے نیچے کود جائیں، تو وہ یقیناً کود جائیں گے۔"

"حیرت ہے!"

"آپکی حیرت دور ہو جائے گی۔ جب میں کل ہی آپ کو طلاق نامہ دکھا دوں گی۔"

یہ مکالمہ سن کر مسٹر معین اپنی ناسازی طبیعت کو بھول گئے۔ اور الٹے

پاؤں واپس دوکان چلے گئے جہاں ابھی تک موٹر کا سودا طے ہو رہا تھا۔ مگر انہوں نے اس سے کوئی دلچسپی نہ لی۔ اور اپنے دفتر میں چلے گئے۔ سگار سلگایا اور ایک کش لینے کے بعد اُسے ایش ٹرے میں رکھدیا، اور سر پکڑ کر آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔

ظاہر ہے کہ زہرہ نے جو کچھ کہا وہ مسٹر معین کی غیرت کے نام پر ایک زبردست چیلنج تھا۔ انہوں نے اپنے چوڑے ماتھے پر سے ہاتھ اُٹھایا، اور ایش ٹرے میں سگار کو بجھا کر ایک نیا سگار نکالا اور اُسے سلگایا۔ آہستہ آہستہ وہ اُسے ہونٹوں میں گھمانے لگے۔ پھر ایک دم اٹھے، اور دوکان سے باہر نکل کر موٹر میں سوار ہوئے اور گھر کا رُخ کیا۔

ان کے دوست مسٹر احسن جا چکے تھے۔ زہرہ اپنے کمرہ میں سنگار میز کے پاس بیٹھی میک اَپ کرنے میں مشغول تھی۔ جب اس نے آئینہ میں معین کا عکس دیکھا تو بغیر مڑے، ہونٹوں پر لپ اسٹک ٹھیک کرتے ہوئے کہا:-

"آپ آج جلدی آگئے"

"ہاں طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔"

صرف اتنا کہہ کر وہ بڑے کمرے میں جا کر صوفے پر دراز ہو گئے۔ سگار اُن کے ہونٹوں میں بڑی تیزی سے گھومنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بنی ٹھنی زہرہ آئی۔ مسٹر معین نے اس کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اُس کے حسن کا اعتراف کیا۔ یہ اعتراف وہ متعدد مرتبہ اپنے دل میں کر چکے تھے۔

دراز قد، بہت موزوں و مناسب گدرایا ہوا جسم۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں شربتی رنگ کی۔ اس پر ہر لباس سجتا تھا۔ بوہری لباس بھی جس سے معین کو سخت

نفرت تھی۔

جب زہرہ پاس آئی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے خاوند کا مزاج پوچھا تو وہ خاموش رہا۔ جب وہ اس کے پاس بیٹھ گئی تو معین صوفے پر سے اٹھا اور منہ سے سگار نکال کر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا:۔

"زہرہ کیا تم مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہو"

زہرہ ایک لحظہ کے لئے بوکھلا سی گئی، مگر فوراً سنبھل کر اس نے اپنے خاوند سے پوچھا:۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"میں نے تمہاری اور احسن کی گفتگو سن لی تھی" معین کے لہجے میں غم و غصہ کا شائبہ تک نہ تھا۔ زہرہ خاموش رہی، معین نے سگار کا ایک کش لیا اور کہا۔

"میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

زہرہ اٹھ کھڑی ہوئی "کیوں؟"

معین نے کچھ دیر سوچا "میں سوسائٹی میں اپنے نام اور اپنی عزت پر حرف آتا نہیں دیکھ سکتا"

"لیکن ——" زہرہ اٹک گئی "لیکن میں اس سے وعدہ کر چکی ہوں"

"تو کوئی دوسری راہ تلاش کرنی چاہیئے۔ طلاق میں کبھی نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ میری عزت کا سوال ہے۔ ویسے مجھے تمہارے وعدہ کا پاس ہے"

یہ کہہ کر اس نے سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا۔ میاں بیوی دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ آخر زہرہ فکرمند لہجہ میں بولی۔

"لیکن میں طلاق لئے بغیر اس سے شادی کیسے کر سکتی ہوں"۔

معین نے ایش ٹرے میں سے سگار اٹھایا اور اپنی بیوی سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھا:۔

"کیا تم واقعی اس سے شادی کرنا چاہتی ہو" زہرہ نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔ تو معین نے اس سے سوال کیا:۔

"کیوں ۔ ؟"

زہرہ خاموش رہی۔ معین نے ایک اور سوال کیا۔

"کیا اس لئے کہ تمہارے دل میں اب میری محبت نہیں ہے۔"

"میرے دل میں آپ کی محبت، ویسی کی ویسی موجود ہے۔ اور اس کے لئے میں خدا کی قسم کھانے کیلئے تیار ہوں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ حسن کے ساتھ رہوں۔" یہ کہہ کر زہرہ صوفے پر بیٹھ گئی، معین نے اپنے منہ سے سگار نکالا اور کہا:۔

"تم اس کے ساتھ رہ سکتی ہو"

زہرہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مگر ایک شرط پر" معین نے سگار ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا۔

"کہ تم میرے پاس بھی رہا کرو گی تاکہ لوگوں کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو، ان کو ایسی باتیں بنانے کا موقعہ نہ ملے کہ معین چونکہ اپنی بیوی کی فرمائشیں پوری نہ کر سکا، اس لئے اس نے طلاق لیکر ایک کروڑپتی سے شادی کرلی، یا یہ کہ معین کی بیوی بدکردار تھی، اس لئے اس نے اسے طلاق دے دی۔"

"بدکردار تو میں ہوں" زہرہ نے اپنی موٹی موٹی غلافی آنکھیں ایک لحظہ کے لئے جھکا لیں۔ معین نے اسے دلاسا دیا۔ اس کا ثبوت صرف میرا اعتراف ہے جو میری زبان پر کبھی نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ میری اپنی عزت اور میرے اپنے ناموس پر حرف آنے کا موجب ہو گا۔ اس کے علاوہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر معین کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے سینے کا سارا بوجھ اتر گیا ہے۔

زہرہ نے احسن کو ساری بات بتا دی۔ وہ راضی ہو گیا۔ چنانچہ زہرہ اس کے پاس کئی کئی دن رہنے لگی۔ احسن زہرہ کے جسمانی خلوص اور اس کے خاوند کی بے مثل ایثار سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے تھوڑے ہی عرصے کے بعد وصیت لکھ کر اپنی تمام جائداد کی وارث زہرہ قرار دی۔

زہرہ نے اس کا ذکر اپنے خاوند سے نہ کیا کہ اس کے وقار کو صدمہ پہنچتا۔ وہ اپنی لڑکی کو دیکھنے اور معین سے ملنے کیلئے اکثر آتی اور بعض اوقات چند راتیں بھی وہیں گذارتی۔

میاں بیوی کی یہ نئی زندگی بڑی ہموار گزرتی رہی، کہ اچانک ایک دن مسٹر احسن حرکت قلب بند ہو جانے کے باعث انتقال کر گئے۔ نماز جنازہ میں سوسائٹی کی اونچی اونچی ہستیوں کی صف میں مسٹر معین بھی شریک تھے۔ انہوں نے اپنے مرحوم دوست کی مغفرت کے لئے صدق دل سے دعا کی۔ اور گھر آ کر مناسب و موزوں الفاظ میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے زہرہ کو دلاسا دیا۔

زہرہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اور وہ گن گن کر احسن کی صفات بیان

کر رہی تھی۔

آخر میں اس نے اپنے خاوند کو بتایا کہ وہ اپنی ساری جائداد اس کے نام کر گیا ہے۔ یہ سن کر مسٹر معین خاموش رہے۔ اور زہرہ سے اس بارے میں کوئی استفسار نہ کیا۔

عدالت کے ذریعہ سے جب زہرہ کو مرحوم احسن کی ساری جائداد کا قبضہ مل گیا اور وہ خوش خوش گھر آئی تو دیکھا ایک مولوی قسم کا آدمی صوفے پر بیٹھا ہے۔ ہاتھ میں اس کے ایک کاغذ ہے۔ اس کو ایک نظر دیکھکر وہ اپنے شوہر سے مخاطب ہوئی۔

"قبضہ مل گیا ہے"

مسٹر معین نے کہا "بہت خوشی کی بات ہے" پھر انہوں نے مولوی صاحب کے ہاتھ سے کاغذ لیا اور زہرہ کی طرف بڑھا دیا "یہ لو"

زہرہ نے کاغذ لے کر پوچھا "یہ کیا ہے؟"

مسٹر معین نے بڑے پر سکون لہجہ میں جواب دیا:۔

"طلاق نامہ"

زہرہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی "طلاق نامہ؟"

"ہاں" یہ کہکر معین نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چیک نکالا "یہ تمہارا حق مہر ہے۔ بیس ہزار روپے"

زہرہ اور زیادہ بھونچکی رہ گئی "مگر ——— یہ سب کیا ہے؟"

"یہ سب یہ ہے کہ مجھے اپنی عزت اور اپنا ناموس بہت پیارا ہے۔ جب

میری جان پہچان کے حلقوں کو یہ معلوم ہوگا کہ احسن تمہارے لئے ساری جائداد چھوڑ رہا ہے ، تو کیا کیا کہانیاں نہیں گھڑی جائیں گی۔ یہ کہہ کر وہ مولوی سے مخاطب ہوا۔

"آیئے قاضی صاحب"

قاضی اٹھا ، جاتے ہوئے مسٹر معین نے پلٹ کر اپنی مطلقہ بیوی کی طرف دیکھا اور کہا :-

"یہ بلڈنگ بھی تمہاری ہے۔ رجسٹری کے کاغذات پہنچ جائیں گے اگر تم نے اجازت دی تو میں کبھی کبھی تمہارے پاس آیا کروں گا۔ ———

خدا حافظ

شادی

جمیل کو اپنا شیفر لائف ٹائم قلم مرمت کے لئے دینا تھا۔ اُس نے ٹیلیفون ڈائرکٹری میں شیفر کمپنی کا نمبر تلاش کیا۔ فون کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کے ایجنٹ میسرز ڈی، جے، ہمبوئر ہیں۔ جن کا دفتر گرین ہوٹل کے پاس واقع ہے۔

جمیل نے ٹیکسی لی اور فورٹ کی طرف چل دیا۔ گرین ہوٹل پہنچکر اُسے میسرز ڈی جے ہمبوئر کا دفتر تلاش کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ بالکل پاس تھا گراؤنڈ فلور منزل پر۔

لفٹ کے ذریعہ سے جمیل وہاں پہنچا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی چوبی دیوار کی چھوٹی سی کھڑکی کے پیچھے اُسے ایک خوش شکل اینگلو انڈین لڑکی نظر آئی۔ جس کی چھاتیاں غیر معمولی طور پر نمایاں تھیں۔

جمیل نے قلم اس کھڑکی کے اندر داخل کر دیا۔ اور مُنہ سے کچھ نہ بولا۔ لڑکی

نے قلم اس کے ہاتھ سے لے لیا. کھول کر ایک نظر دیکھا اور ایک چٹ پر کچھ لکھ کر جمیل کے حوالہ کر دی. مُنہ سے وہ بھی کچھ نہ بولی۔

جمیل نے چٹ دیکھی، قلم کی رسید تھی. چلنے ہی والا تھا کہ پلٹ کر اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"دس بارہ روز تک تیار ہو جائے گا، میرا خیال ہے؟"

لڑکی بڑے زور سے ہنسی، جمیل کچھ کھسیانا سا ہو گیا۔ "میں آپ کی اس ہنسی کا مطلب نہیں سمجھا؟"

لڑکی نے کھڑکی کے ساتھ مُنہ لگا کر کہا "مسٹر ——— آج کل وار ہے وار ——— یہ قلم امریکہ جائے گا ——— تم نو مہینہ کے بعد تپاس آنا۔"

جمیل بوکھلا گیا "نو مہینے!"

لڑکی نے اپنے بُریدہ بالوں والا سر ہلایا ——— جمیل نے لفٹ کا رُخ کیا۔

یہ نو مہینے کا سلسلہ خوب تھا ——— نو مہینے ——— اتنی مدت کے بعد تو عورت گل گوتھنا بچہ پیدا کر کے ایک طرف رکھ دیتی ہے اور دوسرے کے لئے تیاریاں شروع کر دیتی ہے ——— نو مہینے تک اس چھوٹی سی چٹ کو سنبھالے رکھو ——— اور یہ بھی کون وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ نو مہینے تک آدمی یاد رکھ سکتا ہے کہ اس نے ایک قلم مرمت کیلئے دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں وہ کمبخت مر کھپ ہی جائے۔

جمیل نے سوچا، یہ سب ڈھکوسلا ہے ——— قلم میں معمولی سی خرابی

تھی۔ اس کا فیڈر ضرورت سے زیادہ روشنائی پھیلاتا کرتا تھا۔ اس کے لئے امریکہ کے اسپتال میں بھیجنا صریحاً چالبازی تھی ـــــ مگر پھر بھی اس نے سوچا لعنت بھیجو جی اس قلم پر ـــــ امریکہ جائے یا افریقہ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے یہ بلیک مارکیٹ سے ایک سو پچھتر روپے میں خرید اتھا۔ مگر اس نے ایک برس اُسے خوب استعمال بھی تو کیا تھا ـــــ ہزاروں صفحے کالے کر ڈالے تھے۔ چنانچہ وہ قنوطی سے ایک دم رجائی بن گیا۔ اور رجائی بنتے ہی اُسے خیال آیا کہ وہ فورٹ میں ہے۔ اور فورٹ میں شراب کی بے شمار دوکانیں ہیں تو ظاہر ہے، نہیں سٹے گی۔ لیکن فرانس کی بہترین کونک برانڈی تو مل جائے گی۔ چنانچہ اس نے قریب والی شراب کی دوکان کا رُخ کیا۔

برانڈی کی ایک بوتل خرید کر وہ لوٹ رہا تھا کہ گرین ہوٹل کے پاس اُسے رک گیا۔ ہوٹل کے نیچے قدآدم شیشوں کا بنا ہوا قالینوں کا شوروم تھا۔ یہ جمیل کے دوست پیٹر صاحب کا تھا۔

اس نے سوچا چلو اندر چلیں۔ چنانچہ چند لمحات کے بعد ہی وہ شوروم میں تھا۔ اور اپنے دوست پیٹر سے جو عمر میں اس سے کافی بڑا تھا ہنسی مذاق کی گفتگو کر رہا تھا۔

برانڈی کی بوتل باریک کاغذ میں لپٹی، دبیز ایرانی قالین پر لیٹی ہوئی تھی۔ پیٹر صاحب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جمیل سے کہا۔

"یار، اس دولہن کا گھونگٹ تو کھولو ـــــ ذرا اس سے چھیڑ خانی تو کرو۔"

جمیل مطلب سمجھ گیا۔ "تو پیر صاحب گلاس اور سوڈا منگوائیے۔ پھر دیکھئے کیا رنگ جمتا ہے۔"

فوراً گلاس اور یخ بستہ سوڈے آگئے۔ پہلا دور ہوا، دوسرا دور شروع ہونے ہی والا تھا کہ پیر صاحب کے ایک گجراتی دوست اندر چلے آئے اور بڑی بے تکلفی سے قالین پر بیٹھ گئے۔

اتفاق سے ہوٹل کا چھوکرا دو کے بجائے تین گلاس اٹھالایا تھا پیر صاحب کے گجراتی دوست نے بڑی صاف اردو میں چند ادھر اُدھر کی باتیں کیں اور گلاس میں یہ بڑا پیگ ڈال کر اس کو سوڈے سے لبالب بھر دیا تین چار لمبے لمبے گھونٹ لیکر انہوں نے رومال سے اپنا منہ صاف کیا۔ "سگریٹ نکالو یار۔"

پیر صاحب میں ساتوں عیب شرعی تھے۔ مگر وہ سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ جمیل نے جیب سے اپنا سگریٹ کیس نکالا اور قالین پر رکھ دیا۔ ساتھ ہی لائٹر۔

اس پر پیر صاحب نے جمیل سے اس گجراتی کا تعارف کرایا۔

"مسٹر نٹور لال —— آپ موتیوں کی دلالی کرتے ہیں۔"

جمیل نے ایک لحظہ کے لئے سوچا، کوئلوں کی دلالی میں تو انسان کا منہ کالا ہوتا ہے —— موتیوں کی دلالی میں ——،

پیر صاحب نے جمیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مسٹر جمیل، مشہور سونگ رائیٹر۔"

دونوں نے ہاتھ ملایا۔ اور برانڈی کا نیا دور شروع ہوا، اور ایسا

شروع ہوا کہ بوتل خالی ہو گئی۔

جمیل نے دل میں سوچا یہ کمبخت موتیوں کا دلال بلا کا پینے والا ہے۔ میری پیاس اور میرے سرور کی ساری برانڈی چڑھا گیا۔ خدا کرے اسے موتیا بند ہو جائے۔"

مگر جونہی آخری دور کے پیگ نے جمیل کے پیٹ میں اپنے قدم جمائے اس نے نٹور لال کو معاف کر دیا۔ اور آخر میں اس نے کہا۔

"مسٹر نٹور اٹھئے ——— ایک بوتل اور ہو جائے۔"

نٹور فوراً اٹھا۔ اپنے سفید گلے کی شکنیں درست کیں، دھوتی کی لانگ ٹھیک کی اور کہا۔

"چلئے۔"

جمیل پیر صاحب سے مخاطب ہوا۔

"ہم ابھی حاضر ہوتے ہیں"

جمیل اور نٹور نے باہر نکل کر ٹیکسی لی اور شراب کی دوکان پر پہنچے۔ جمیل نے ٹیکسی روکی۔ مگر نٹور نے کہا "مسٹر جمیل ——— یہ دوکان ٹھیک نہیں ہے، ساری چیزیں مہنگی بیچتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

"دیکھو کولابہ چلو"

کولابہ پہنچ کر نٹور جمیل کو شراب کی ایک چھوٹی سی دوکان میں لے گیا۔ جو برانڈ جمیل نے فورٹ سے لیا، وہ تو نہ مل سکا، ایک دوسرا مل گیا جس کی نٹور نے

بہت تعریف کی کہ نمبر ون چیز ہے۔

یہ نمبر ون چیز خرید کر دونوں باہر نکلے ——— ساتھ ہی بار تھی، نٹور رک گیا: "مسٹر جمیل کیا خیال ہے آپ کا۔ ایک دو پیگ یہیں سے پی کر چلتے ہیں ———"

جمیل کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ اس لئے کہ اس کا نشہ عالم نزع میں تھا۔ چنانچہ دونوں بار کے اندر داخل ہوئے۔ معاً جمیل کو خیال آیا کہ بار والے تو کبھی باہر کی شراب پینے کی اجازت نہیں دیا کرتے۔

"مسٹر نٹور آپ یہاں کیسے پی سکتے ہیں، یہ لوگ اجازت نہیں دیں گے"

نٹور نے زور سے آنکھ ماری، اور کہا۔

"سب چلتا ہے"

اور یہ کہہ کر وہ ایک کیبن کے اندر گھس گیا، جمیل بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔

نٹور نے بوتل سنگین تپائی پر رکھی اور بیرے کو آواز دی ———

جب وہ آیا تو اس کو بھی آنکھ ماری "دیکھو، دو سوڈے روجرز ——— ٹھنڈے ——— اور دو گلاس ایک دم صاف"

بیرا یہ حکم سن کر چلا گیا، اور فوراً سوڈے اور گلاس حاضر کر دیئے۔ اس پر نٹور نے اُسے دوسرا حکم دیا "فسٹ کلاس چپس اور ٹومیٹو سوس ——— اور فسٹ کلاس کٹلس!"

بیرا چلا گیا۔ نٹور، جمیل کی طرف دیکھ کر ایسے ہی مسکرایا۔ بوتل کا کارک نکالا، اور جمیل کے گلاس میں اُس سے پوچھے بغیر ایک ڈبل ڈال دیا۔ خود اُس

سے کچھ زیادہ، سوڈا حل ہو گیا تو دونوں نے اپنے گلاس ٹکرائے۔

جمیل پیاسا تھا۔ ایک ہی جُرعے میں اس نے آدھا گلاس ختم کر دیا۔ سوڈا چونکہ بہت ٹھنڈا اور تیز تھا اس لئے پھُوں پھُوں کرنے لگا۔

دس پندرہ منٹ کے بعد چپس اور کٹلس آ گئے ـــــ جمیل صبح گھر سے ناشتہ کرکے نکلا تھا۔ لیکن برانڈی نے اُسے بھوک لگا دی۔ چپس گرم گرم تھے اور کٹلس بھی وہ پل پڑا ـــــ نوّر نے اس کا ساتھ دیا چنانچہ دو منٹ میں دونوں پلیٹیں صاف۔

دو پلیٹیں اور منگوائی گئیں۔ جمیل نے اپنے لئے چوپس بھی منگوائے۔ دو گھنٹے اسی طرح گزر گئے۔ بوتل کی تین چوتھائی غائب ہو چکی تھی۔ جمیل نے سوچا کہ اب پیر صاحب کے پاس جانا بیکار ہے۔

نشے خوب جم رہے تھے۔ سرور خوب گٹھ رہے تھے۔ نوّر اور جمیل دونوں ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایسے سواروں کو عام طور پر ایسی وادیوں میں جانے کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ جہاں انہیں عریاں بدن حسین عورتیں ملیں، وہ ان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر گھوڑے پر بٹھالیں اور یہ جا وہ جا۔

جمیل کا دماغ اُس وقت کسی ایسی ہی وادی کے متعلق سوچ رہا تھا جہاں اسکی کسی ایسی خوبصورت عورت سے مڈبھیڑ ہو جائے جس کو وہ اپنے تپتے ہوئے سینے کے ساتھ بھینچ لے، اس زور سے کہ اس کی ہڈیاں تک چیخ جائیں ـــــ

جمیل کو اتنا تو معلوم تھا کہ وہ ایسی جگہ پر ہے ـــــ مطلب ہے

ایسے علاقہ میں ہے جو اپنے بروتھلز (فحبہ خانے) کی وجہ سے ساری بمبئی میں مشہور ہے۔ جنہیں عیاشی کرنا ہوتی ہے وہ ادھر کا ہی رخ کرتے ہیں۔ شہر سے بھی جس لڑکی کو تک چھپ کر پیشہ کرنا ہوتا ہے، یہیں آتی ہے۔ ان معلومات کی بنا پر اس نے نوّر سے کہا۔

"میں نے کہا ـــــ وہ ـــــ وہ ـــــ میرا مطلب ہے ادھر کوئی چھوکری ووکری نہیں ملتی ؟"

نوّر نے اپنے گلاس میں ایک بڑا پیگ انڈیلا اور ہنسا۔

"مسٹر جمیل ـــــ ایک نہیں، ہزاروں ـــــ ہزاروں ـــــ ہزاروں ......"

یہ ہزاروں کی گردان جاری رہتی، اگر جمیل نے اس کی بات کاٹی نہ ہوتی۔

"ان ہزاروں میں سے آج ایک ہی مل جائے۔ تو ہم سمجھیں کہ نوّر بھائی نے کمال کر دیا۔"

نوّر بھائی مزے میں تھے، جھوم کر کہا۔

"بھائی جمیل ـــــ ایک نہیں ہزاروں۔ چلو اس کو ختم کرو"

دونوں نے بوتل میں جو کچھ بچا تھا آدھے گھنٹہ کے اندر اندر ختم کر دیا۔ بل ادا کرنے اور بیرے کو تگڑی ٹپ دینے کے بعد دونوں باہر نکلے۔ اندر اندھیرا تھا۔ باہر دھوپ چمک رہی تھی۔ جمیل کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک لحظہ کیلئے اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ آہستہ آہستہ اسکی آنکھیں تیز روشنی کی عادی ہوئیں تو اس نے نوّر سے کہا۔

"چلو بھئی۔"

نٹور نے تلاشی لینے والی نگاہوں سے جمیل کی طرف دیکھا ، اور پوچھا۔

"مال پانی ہے نا ؟"

جمیل کے ہونٹوں پر نشیلی مسکراہٹ نمودار ہوئی ، نٹور کی پسلیوں میں کہنی سے ٹھوکا دے کر اس نے کہا۔

"بہت ، نٹور بھائی ، بہت" اور اس نے جیب سے پانچ نوٹ سوسو کے نکالے "کیا اتنے کافی نہیں ؟"

نٹور کی باچھیں کھل گئیں "کافی ؟ ——— بہت زیادہ ہیں ——— چلو آؤ ، پہلے ایک بوتل لے لیں ، وہاں ضرورت پڑے گی۔"

جمیل نے سوچا ، بات بالکل ٹھیک ہے۔ وہاں ضرورت نہیں پڑے گی ، تو کیا کسی مسجد میں پڑے گی۔ چنانچہ فوراً ایک بوتل خرید لی گئی۔ ٹیکسی کھڑی تھی۔ دونوں اس میں بیٹھ گئے اور اس وادی کی سیاحی کرنے لگے۔

سینکڑوں بردہ فروش تھے۔ ان میں سے بیس پچیس کا جائزہ لیا گیا۔ مگر جمیل کو کوئی عورت پسند نہ آئی۔ سب میک اپ کی موٹی اور شوخ تہوں کے اندر چھپی ہوئی تھیں۔ جمیل چاہتا تھا کہ ایسی لڑکی ملے جو مرمت شدہ مکان معلوم نہ ہو۔ جس کو دیکھ کر یہ احساس نہ ہو کہ جگہ جگہ اکھڑے ہوئے پلستر کے ٹکڑوں پر بڑے اناڑی پن سے سرخی چونا لگایا گیا ہے۔

نٹور تنگ آ گیا۔ اس کے سامنے جو بھی عورت آتی تھی ، وہ جمیل کا کندھا پکڑ کر کہتا ہے۔

"جمیل بھائی چلے گی۔"

مگر بھائی جمیل اُٹھ کھڑا ہوتا۔

"وہاں چلے گی ـــــــ اور ہم بھی چلیں گے!"

دو جگہیں اور دیکھی گئیں۔ مگر جمیل کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ سوچتا تھا کہ ان عورتوں کے پاس کون آتا ہے، جو سور کے سوکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں کی طرح دکھائی دیتی ہیں۔ ان کی ادائیں کتنی مکروہ ہیں۔ اُٹھنے بیٹھنے کا انداز کتنا فحش ہے اور کہتے کو یہ پرائیویٹ ہیں۔ یعنی ایسی عورتیں جو درپردہ پیشہ کراتی ہیں ـــــــ جمیل کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ پردہ ہے کہاں جس کے پیچھے یہ دھندا کرتی ہیں۔

جمیل سوچ ہی رہا تھا کہ اب پروگرام کیا ہونا چاہیئے کہ نٹو نے ٹیکسی رکوائی اور اتر کر چلا گیا کہ ایک دم اُسے ایک کام ضروری یاد آ گیا تھا۔

اب جمیل اکیلا تھا۔ ٹیکسی تیس میل فی گھنٹہ کے حساب سے چل رہی تھی ـــــــ اس وقت ساڑھے چار بج چکے تھے ـــــــ اُس نے ڈرائیور سے پوچھا۔

"یہاں کوئی بھڑوا ملے گا۔"

ڈرائیور نے جواب دیا۔

"ملے گا جناب۔"

"تو چلو اس کے پاس۔"

ڈرائیور نے دو تین موڑ گھومے اور پہاڑی بنگلہ نما بلڈنگ کے پاس گاڑی کھڑی کر دی۔ دو تین مرتبہ ہارن بجایا۔

جمیل کا سر نشے کے باعث سخت بوجھل ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے دھند سی چھائی ہوئی تھی ـــــــ اُسے معلوم نہیں کیسے اور کس طرح، مگر جب اُس نے

ذرا اور آگے کو جھٹکا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک پلنگ پر بیٹھا ہے ۔ اُس کے پاس ہی ایک جوان لڑکی جس کی ناک کی پھننگ پر ایک چھوٹی سی پھنسی تھی ۔ اپنے بریدہ بالوں میں کنگھی کر رہی تھی ۔

جمیل نے اس کو غور سے دیکھا ۔ سوچنے ہی والا تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچا مگر اس کے شعور نے اس کو مشورہ دیا کہ دیکھو یہ سب عبث ہے ۔ جمیل نے سوچا ، یہ ٹھیک ہے ۔ لیکن پھر بھی اُس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر نوٹ گن کر اور پاس پڑی ہوئی تپائی پر برانڈی کی سالم بوتل دیکھ کر اپنی تشفی کر لی کہ سب خیریت ہے اس کا نشہ کسی قدر نیچے اتر گیا ۔

اُٹھ کر وہ اُس گیسو بُریدہ لڑکی کے پاس گیا اور ، اور تو کچھ سمجھ میں نہ آیا مسکرا کر اس سے کہا ۔

”کہیئے مزاج کیسا ہے ۔“

اُس لڑکی نے کنگھی میز پر رکھی اور کہا ۔

”آپ کا کیسا ہے ۔“

”ٹھیک ہوں ۔“ یہ کہکر اُس نے اس لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈالا ”آپ کا نام ؟“

”بتا تو چکی ایک دفعہ ——— آپ کو میرا خیال ہے یہ بھی یاد نہ رہا ہوگا کہ آپ ٹیکسی میں یہاں آئے ——— جانے کہاں کہاں گھومتے رہے ہوں گے ، کہ بل اڑتیس روپے بنا ، جو آپ نے ادا کیا ۔ اور ایک شخص جس کا نام شاید نتّھو تھا ۔ آپ نے اس کو بیشمار گالیاں دیں ۔“

جمیل اپنے اندر ڈدب کر سارے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنے ہی

والا تھا کہ اس نے سوچا کہ فی الحال اس کی ضرورت نہیں۔

"میں بھول جایا کرتا ہوں ——— یا یوں سمجھئے کہ مجھے بار بار پوچھنے میں مزا آتا ہے ———" وہ صرف اتنا یاد کر سکا کہ اس نے ٹیکسی والے کا بل جو کہ اڑتیس روپے بنتا تھا ادا کیا تھا۔

لڑکی پلنگ پر بیٹھ گئی اور جواب دیا۔

"میرا نام تارہ ہے۔"

جمیل نے اس کو لٹا دیا اور اس سے مصنوعی قسم کا پیار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کو پیاس محسوس ہوئی۔ تو اس نے تارہ سے کہا۔

"دو یخ بستہ سوڈے اور گلاس۔"

تارہ نے یہ دونوں چیزیں فوراً حاضر کر دیں، جمیل نے بوتل کھولی، اپنے لئے ایک پیگ ڈال کر اس نے دوسرا تارہ کے لئے ڈالا ——— پھر دونوں پینے لگے۔

تین پیگ پینے کے بعد جمیل نے محسوس کیا کہ اس کی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ تارہ کو چومنے چاٹنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب قصہ مختصر ہو جانا چاہیئے۔

"کپڑے اتار دو۔"

"سارے۔"

"ہاں سارے۔"

تارہ نے کپڑے اتار دیئے اور لیٹ گئی۔ جمیل نے اس کے ننگے جسم کو ایک نظر دیکھا اور یہ رائے قائم کی کہ اچھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خیالات کا ایک تانتا

بندھ گیا ۔ جمیل کا نکاح ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی کو دو تین مرتبہ دیکھا تھا۔

اُس کا بدن کیسا ہوگا ۔۔۔۔۔ کیا وہ تارہ کی طرح اس کے ایک مرتبہ کہنے پر اپنے سارے کپڑے اتار کر اس کے ساتھ لیٹ جائیگی؟ کیا وہ اس کے ساتھ برانڈی پیئے گی؟

کیا اس کے بال کٹے ہوئے ہیں؟

پھر فوراً اس کا ضمیر جاگا۔ جس نے اس کو لعنت ملامت شروع کر دی نکاح کا یہ مطلب تھا کہ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ صرف ایک مرحلہ باقی تھا کہ وہ اپنی سُسرال جائے اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے ۔۔۔۔۔ کیا اُس کے لئے یہ واجب تھا کہ ایک بازاری عورت کو اپنے آغوش کی زینت بنائے ۔۔۔۔۔ قم کے قم لنڈھاتا پھرے ۔

جمیل بہت خفیف ہوا، اور اسی خفت میں اس کی آنکھیں مندنا شروع ہوئیں اور وہ سو گیا ۔ تارہ بھی تھوڑی دیر کے بعد خوابِ غفلت کے مزے لینے لگی ۔

جمیل نے کئی بے ربط، اوٹ پٹانگ خواب دیکھے ۔۔۔۔۔ کوئی دو گھنٹے کے بعد جب کہ ایک بہت ہی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا تھا، وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ جب اچھی طرح آنکھیں کھلیں تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک اجنبی کمرے میں ہے اور اس کے ساتھ ایک الف ننگی لڑکی لیٹی ہے ۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد واقعات آہستہ آہستہ اس کے دماغ کی دھند چیر کر نمودار ہونے لگے ۔

وہ خود بھی الف ننگا تھا۔ بوکھلاہٹ میں اُس نے الٹا پائجامہ پہن لیا، مگر

اس کو اس کا احساس نہ ہوا۔ کرتہ پہن کر اس نے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ نوٹ سب کے سب موجود تھے۔ اُس نے سوڈا کھولا اور ایک پیگ بنا کر پیا۔ پھر اس نے تارہ کو جھنجھوڑا "اُٹھو۔"

تارہ آنکھیں ملتی اُٹھی۔ جمیل نے اس سے کہا "کپڑے پہن لو۔"

تارہ نے کپڑے پہن لئے ——— باہر گہری شام رات بننے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ جمیل نے سوچا، اب کوچ کرنا چاہیئے، لیکن وہ تارہ سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ بہت سی باتیں اُس کے ذہن سے نکل گئی تھیں۔

"کیوں تارہ، جب ہم لیٹے ——— میرا مطلب ہے جب میں نے تم سے کپڑے اتارنے کو کہا تو اُس کے بعد کیا ہوا؟"

تارہ نے جواب دیا۔

"کچھ نہیں ——— آپ نے اپنے کپڑے اتارے اور میرے بازو پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے سو گئے۔"

"بس؟"

"ہاں ——— لیکن سونے سے پہلے آپ دو تین مرتبہ بڑبڑائے اور کہا۔ میں گنہگار ہوں ——— میں گنہگار ہوں" یہ کہہ کر تارہ اٹھی اور اپنے بال سنوارنے لگی۔

جمیل بھی اٹھا۔ گناہ کا احساس دبانے کیلئے اس نے ڈبل پیگ اپنے حلق میں جلدی جلدی انڈیلا۔ بوتل کو کاغذ میں لپیٹا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

تارہ نے پوچھا "چلے؟"

"ہاں ـــــ، پھر کبھی آؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ لوہے کی پیچدار سیڑھیوں سے نیچے اتر گیا۔ بڑے بازار کی طرف اس کے کمزور قدم اُٹھنے ہی والے تھے کہ ہارن بجا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ اُس نے کہا، چلو اچھا ہوا، یہیں مل گئی، پیدل چلنے کی زحمت سے بچ گئے۔

اُس نے ڈرائیور سے پوچھا۔ "کیوں بھائی خالی ہے۔"

ڈرائیور نے جواب دیا۔ "خالی ہے کا کیا مطلب ـــــ لگی ہوئی ہے۔"

"تو پھر ـــــ" یہ کہہ کر جمیل مڑا۔ لیکن ڈرائیور نے اس کو پکارا۔

"کدھر جاتا ہے سیٹھ۔"

جمیل نے جواب دیا "کوئی اور ٹیکسی دیکھتا ہوں۔"

ڈرائیور باہر نکل آیا۔ "مستک تو نہیں پھر سے لا ـــــ یہ ٹیکسی تمہیں نے تو لے رکھی ہے۔"

جمیل بوکھلا گیا "میں نے ؟"

ڈرائیور نے بڑے گنوار لہجے میں اس سے کہا۔

"ہاں تو نے ـــــ سالا دارو پی کر سب کچھ بھول گیا۔"

اس پر تُو تُو میں میں شروع ہوئی۔ اِدھر اُدھر سے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ جمیل نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔ اور اندر بیٹھ گیا۔ "چلو۔"

ڈرائیور نے ٹیکسی چلائی "کدھر۔"

جمیل نے کہا "پولیس اسٹیشن!"

ڈرائیور نے اِس پر جانے کیا واہی تباہی بکی ـــــ جمیل سوچ میں پڑ گیا۔

جو ٹیکسی اس نے لی تھی، اُس کا بل جو کہ اڑتیس روپے کا تھا۔ اس نے ادا کر دیا تھا۔ اب یہ نئی ٹیکسی کہاں سے آن ٹپکی۔ گو وہ نشے کی حالت میں تھا۔ مگر وہ یقینی طور پر یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ وہ ٹیکسی نہیں تھی۔ اور نہ یہ ڈرائیور وہ ڈرائیور جو اُسے یہاں لایا تھا، اور تھا۔

پولیس اسٹیشن پہنچے۔ جمیل کے قدم بہت بُری طرح لڑکھڑا رہے تھے۔ سب انسپکٹر جو کہ اس وقت ڈیوٹی پر تھا، فوراً بھانپ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اُس نے جمیل کو کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔

ڈرائیور نے اپنی داستان شروع کر دی جو سرتاپا غلط تھی۔ جمیل یقیناً اس کی تردید کرتا، مگر اس میں زیادہ بولنے کی ہمت نہیں تھی۔ سب انسپکٹر سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا۔

"جناب میری سمجھ میں نہیں آتا، یہ کیا قصہ ہے۔ جو ٹیکسی میں نے لی تھی۔ اس کا کرایہ میں نے اڑتیس روپے ادا کر دیا تھا۔ اب معلوم نہیں یہ کون ہے اور مجھ سے کیسا کرایہ مانگتا ہے۔"

ڈرائیور نے کہا۔

"حضور انسپکٹر بہادر، یہ دارو پئے لائے" اور ثبوت کے طور پر اُس نے جمیل کی برانڈی کی بوتل میز پر رکھ دی۔

جمیل جھنجلا گیا "ارے بھئی کون سور کہتا ہے کہ میں نے نہیں پی ——— سوال تو یہ ہے کہ آپ کہاں سے تشریف لے آئے!"

سب انسپکٹر شریف آدمی تھا، کرایہ بوگس ڈرائیور کے حساب سے بیالیس روپے

بنتا تھا - اس نے پندرہ روپے میں فیصلہ کر دیا۔ ڈرائیور بہت چیخا چلایا۔ مگر سب انسپکٹر نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر تھانے سے نکلوا دیا - پھر اس نے ایک سپاہی سے کہا کہ وہ دوسری ٹیکسی بلائے۔ ٹیکسی آئی تو اس نے ایک سپاہی جمیل کے ساتھ کر دیا، کہ وہ اسے گھر چھوڑ آئے۔ جمیل نے لکنت بھرے لہجہ میں اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور دریافت کیا۔

"جناب کیا یہ گرانٹ روڈ پولیس اسٹیشن ہے۔"

سب انسپکٹر نے زور کا قہقہہ لگایا - اور پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر اب یہ ثابت ہو گیا کہ تم نے خوب پی رکھی ہے —— یہ کولابہ پولیس اسٹیشن ہے —— جاؤ اب گھر جا کے سو جاؤ۔"

جمیل گھر جا کے کھانا کھائے اور کپڑے اتارے بغیر سو گیا —— برانڈی کی بوتل بھی اس کے ساتھ سوئی رہی۔

دوسرے روز وہ دس بجے کے قریب اٹھا، جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ سر میں جیسے بڑے بڑے وزنی پتھر تھے۔ منہ کا ذائقہ خراب - اس نے اٹھ دو تین گلاس فروٹ سالٹ کے پیئے اور چار پانچ پیالے چائے کے۔ کہیں شام کو جا کر طبیعت کسی قدر بحال ہوئی - اور اس نے خود کو گذشتہ واقعات کے متعلق سوچنے کے قابل محسوس کیا۔

بہت لمبی زنجیر تھی۔ ان میں سے بعض کڑیاں تو سلامت تھیں، مگر بعض غائب واقعات کا تسلسل شروع سے لیکر گرین ہوٹل اور وہاں سے کولابہ تک بالکل صاف تھا۔ اس کے بعد جب نثور کے ساتھ خاص وادی کی سیاحی شروع ہوئی تھی معاملہ

گڈمڈ ہو جاتا تھا چند جھلکیاں دکھائی دیتی تھیں، بڑی واضح مگر فوراً مبہم پرچھائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

وہ کیسے اُس لڑکی کے گھر پہنچا ——— اس کا نام جمیل کے حافظہ سے پھسل کر جانے کس کھڈ میں جا گرا تھا۔ اسکی شکل و صورت اُسے البتہ اچھی طرح یاد تھی۔

وہ اُس کے گھر کیسے پہنچا تھا؟ ——— یہ جاننا بہت اہم تھا ——— اگر جمیل کا حافظہ اس کی مدد کرتا تو بہت سی چیزیں صاف ہو جاتیں۔ مگر بصد کوشش وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

اور یہ ٹیکسیوں کا کیا سلسلہ تھا۔ اس نے پہلی کو تو چھوڑ دیا تھا۔ مگر دوسری کہاں سے ٹپک پڑی تھی؟

سوچ سوچ کے جمیل کا دماغ پاش پاش ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جتنے وزنی پتھر اس میں پڑے تھے، سب آپس میں ٹکرا ٹکرا کر چور چور ہو گئے ہیں۔ رات کو اس نے برانڈی کے تین پیگ پیئے، تھوڑا سا ہلکا کھانا کھایا اور گذشتہ واقعات کے متعلق سوچتا سوچتا سو گیا۔

وہ ٹکڑے جو گم ہو گئے تھے، ان کو تلاش کرنا اب جمیل کا شغل ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو کچھ اس نے ہوا من و عن اسکی آنکھوں کے سامنے آ جائے اور یہ روز روز کی مغز پاشی دور ہو ——— اس کے علاوہ اُس کو اس بات کا بھی بڑا قلق تھا کہ اس کا گناہ نا مکمل رہ گیا۔ وہ سوچتا تھا یہ ادھورا گناہ ہمارے گا کس کھاتہ میں۔ وہ چاہتا تھا کہ بس ایک دفعہ اسکی یہ تکمیل ہو جائے

مگر تلاش بسیار کے باوجود وہ پہاڑی بنگلوں جیسا مکان جمیل کی آنکھوں سے اوجھل رہا۔ جب وہ تھک ہار گیا، تو اس نے ایک دن سوچا، کیا یہ سب خواب ہی نہیں تھا؟"

مگر خواب کیسے ہو سکتا تھا، خواب میں آدمی اتنے روپے تو خرچ نہیں کرتا۔ اُس روز اس کے کم از کم ڈھائی سو روپے خرچ ہوئے تھے۔

پیر صاحب سے اُس نے نور کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس روز کے بعد دوسرے دن ہی سمندر پار کہیں چلا گیا ہے۔ غالباً موتیوں کے سلسلے میں۔ جمیل نے اس پر ہزار لعنتیں بھیجیں اور اپنی تلاش شروع کر دی۔

اُس نے جب اپنے حافظے پر بہت زور دیا تو اُسے بنگلہ کی دیوار کے ساتھ پیتل کی ایک پلیٹ نظر آئی ——— اس پر کچھ لکھا تھا ——— غالباً ——— ڈاکٹر ——— ڈاکٹر بیرام جی ——— آگے جانے کی۔

ایک دن کولابہ کی گلیوں میں پیدل چلتے چلتے آخر وہ ایک ایسی گلی میں پہنچا جو اس کو جانی پہچانی معلوم ہوئی ——— ورویہ اس قسم کے بنگلہ نما عمارتیں تھیں۔ ہر عمارت کے باہر چھوٹے چھوٹے پیتل کے بورڈ لگے تھے۔ کسی پر چار، کسی پر پانچ، کسی پر تین۔

وہ ادھر اُدھر غور سے دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ مگر اس کے دماغ میں وہ خط گھر کر رہا تھا جو صبح اس کی ساس کی طرف سے وصول ہوا تھا، کہ اب انتظار کی حد ہو گئی ہے میں نے . . . . کر دی ہے۔ آ کر اپنی دلہن کو لے جاؤ۔

اور وہ ادھر ایک … گناہ کو مکمل بنانے کی کوشش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔

جمیل نے کہا، بٹیا جی اس وقت ـــــ پھر نے دو بارا مارا ـــ ایکدم اس نے اپنے دائیں ہاتھ پتیل کا ایک چھوٹا سا بورڈ دیکھا ـــ اس پر لکھا تھا ـــ ڈاکٹر ایم بیرام جی، ایم. ڈی۔

جمیل کانپنے لگا۔ یہ وہی بلڈنگ ہے ـــ بالکل وہی ـــ وہی رنگ، وہی بل کھاتی ہوئی آہنی سیڑھیاں۔ جمیل بے دھڑک اوپر چلا گیا۔ اس کے لئے اب ہر چیز جانی پہچانی تھی۔ کوری ڈور سے نکل کر اس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔

ایک لڑکے نے دروازہ کھولا ـــ اُسی لڑکے نے جو اس روز سوڈا اور برف لایا تھا، جمیل نے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے اس سے پوچھا

"بٹیا بائی جی ہیں؟"

لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا "جی ہاں!"

"جاؤ ان سے کہو، صاحب ملنے آئے ہیں۔" جمیل کے لہجے میں کافی بے تکلفی تھی۔

لڑکا دروازہ بھیڑ کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا اور تارہ نمودار ہوئی۔ اس کو دیکھتے ہی جمیل نے پہچان لیا، کہ وہی لڑکی ہے، مگر اب اس کی ناک پر پھنسی نہیں تھی

"نمستے۔"

"نمستے ـــ کہئے مزاج کیسے ہیں۔" یہ کہکر اس نے اپنے کٹے

ہوئے بالوں کو ایک خفیف سا جھٹکا دیا۔

جمیلؔ نے جواب دیا۔

"اچھے ہیں ——۔ میں پچھلے دنوں بہت مصروف رہا۔ اس لئے آنہ سکا —— کہو، پھر کیا ارادہ ہے؟"

تارہؔ نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جی معاف کیجئے، میری شادی ہو چکی ہے۔"

جمیلؔ بوکھلا گیا "شادی؟ —— کب؟"

تارہؔ نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آج صبح —— آیئے میں آپ کو اپنے پتی سے ملاؤں۔"

جمیلؔ چکرا گیا اور کچھ سنے بغیر کھٹا کھٹ نیچے اتر گیا ——۔ سامنے ٹیکسی کھڑی تھی۔ جمیلؔ کا دل ایک لحظہ کے لئے ساکت سا ہو گیا۔ تیز قدم اُٹھاتا وہ بڑے بازار کی طرف نکل گیا۔

معاً جمیلؔ کو جاتے دیکھ کر ڈرائیور نے زور سے چلایا۔

"سیٹھ صاحب ٹیکسی۔"

جمیلؔ نے جھنجلا کر کہا —— نہیں کمبخت شادی!

پھسپھسی کہانی

سخت سردی تھی۔

رات کے دس بجے تھے۔ شالامار باغ سے وہ سڑک جو ادھر لاہور کو آتی ہے، سڑک کے دو رویہ پست قد مکان اور درخت دھندلی دھندلی روشنی میں سکڑے سکڑے دکھائی دے رہے تھے۔ بجلی کے کھمبے ایک دوسرے سے دور ہٹے روٹھے اور اکتائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے ساری فضا میں بدمزگی کی کیفیت تھی۔ ایک صرف تیز ہوا تھی جو اپنی موجودگی منوانے کی بیکار کوشش میں مصروف تھی۔

جب دو سائیکل سوار نمودار ہوئے اور ہوا کے تیز و تند جھونکے ان کے کانوں سے ٹکرائے تو انہوں نے اپنے اپنے اورکوٹ کا کالر اونچا کر لیا دونوں خاموش تھے۔ مخالف ہوا کے باعث انہیں پیڈل چلانے میں کافی

زور صرف کرنا پڑ رہا تھا۔ مگر وہ اس کے احساس سے غافل ایک دوسرے کا سایہ بنے شالامار باغ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اگر کوئی انہیں دور سے دیکھتا تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ سڑک جو لوہے کی رنگ آلود چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی سائیکلوں کے پہیوں کے نیچے ہولے ہولے کھسک رہی ہو۔

بہت دیر تک وہ دونوں سنسان فاصلہ خاموشی میں طے کرتے رہے آخر ان میں سے ایک سائیکل سے اتر کر اپنے سرد ہاتھ کو مُنہ کی بھاپ سے گرم کرنے لگا۔ " سخت سردی ہے "

اس کے ساتھی نے بریک لگائی اور ہنسنے لگا " بھائی جان، وہ — وہ وسکی کہاں گئی ؟ "

" جہنم میں ——— جہاں ساری شام غارت ہوئی، وہاں وہ بھی ہوئی۔ "

دونوں بھائی تھے۔ مگر ایسے بھائی جو چار دن عیب شرعی اکٹھے، مل جل کر کرتے تھے۔

دونوں نے صبح یہ پروگرام بنایا تھا کہ دفتر سے فارغ ہو کر رشوت کے اُس روپے کا جو انہیں دو بجے کے قریب ملنا تھا، جائز استعمال سوچیں گے۔

روپیہ اُنہیں دو بجے سے پہلے ہی مل گیا تھا۔ اس لئے کہ رشوت دینے والا بہت بے قرار تھا۔ بڑے بھائی نے روپیہ جیب میں رکھنے سے پہلے تمام نوٹ اچھی طرح دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیا کہ وہ نشان زدہ نہیں تھے۔

رقم زیادہ نہیں تھی، دو سو ایک روپے تھے۔ اُنہوں نے دو سو طلب کئے

تھے، مگر ایک کا اضافہ رشوت دینے والے نے شگن کے لئے کیا تھا جو بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی سے مشورہ کر کے ایک اندھے بھکاری کو دیدیا تھا۔ جب وہ دونوں ہیرا منڈی کی طرف جا رہے تھے۔

چھوٹے بھائی کی جیب میں اسکاچ کی بوتل تھی۔ بڑے بھائی کی جیب میں تھری ناٹ کے دو ڈبے تھے۔ عام طور پر دونوں گولڈ فلیک پیتے تھے۔ مگر جب رشوت ملتی تو ایسا برانڈ پیتے تھے۔ جس کے دام زیادہ نہ ہوں۔

ہیرا منڈی میں داخل ہوا ہی چاہتے تھے، کہ بادشاہی مسجد سے اذان کی آواز آئی۔ بڑے نے چھوٹے سے کہا۔

"چلو یار نماز پڑھ لیں"

چھوٹے نے اپنی پھولی ہوئی جیب کی طرف دیکھا "اس کا کیا کریں بھائی جان ——؟"

بڑے نے تھوڑی دیر سوچا اور کہا۔

"اس کا انتظام کر لیتے ہیں —— اپنا یار جو بٹ ہے۔"

بٹ پان فروش کی دوکان قریب ہی تھی۔ چھوٹے نے ٹھہین کاغذ میں لپٹی ہوئی بوتل اس کے حوالے کی۔ بڑے نے اپنی اور اپنے بھائی کی سائیکل دوکان کے تھڑے کے ساتھ ٹکائی اور بٹ سے کہا۔

"ہم ابھی آئے نماز پڑھ کے۔"

بٹ نے قہقہہ لگایا "دو نفل شکرانے کے بھی"

دونوں بھائیوں نے بادشاہی مسجد میں نماز ادا کی، اور دو نفل شکرانے

کے بھی پڑھے۔ واپس آئے تو کیا دیکھتے ہیں، کہ بٹ کی دوکان بند ہے۔ ساتھ والے دوکان دار سے پوچھا تو اُس نے کہا "نماز پڑھنے گیا ہے۔" دونوں بھائیوں کو سخت تعجب ہوا۔

"نماز ۔۔؟"

دوکان دار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سال چھ ماہی میں کبھی کبھی پڑھ لیا کرتا ہے۔"

دونوں بہت دیر تک بٹ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ جب وہ نہ آیا، تو بڑے نے چھوٹے سے کہا۔

"جاؤ یار ــــــ ایک بوتل اور لے آؤ ــــ میں نے خواہ مخواہ اس حرامزادے بٹ پر اعتبار کیا۔"

چھوٹے نے روپے لئے اور بڑے سے کہا :۔

"جیب ہی میں پڑی رہتی تو کیا حرج تھا۔"

"چھوڑو یار، ہٹاؤ اس قصے کو ــــــــ مجھے بوتل جانے کا اتنا افسوس نہیں ــــــ کہیں گر کر بھی ٹوٹ سکتی تھی ــــــ افسوس تو اس بات کا ہے کہ بڑی بے دردی سے پی رہا ہوگا کمبخت۔"

چھوٹے نے پیڈل پر پاؤں رکھا۔ اور پوچھا۔

"آپ یہیں ہوں گے؟"

بڑے نے بڑے اکتائے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔

"ہاں بھئی، یہیں کھڑا رہوں گا ــــ شاید بھٹک کر ادھر آنکلے ــــ

لیکن تم جلدی آجانا ۔"

چھوٹا جلدی واپس آگیا ۔ مگر اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا ۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا ۔ جو کیریر پر بیٹھا ہوا تھا ۔ بڑا تاڑ گیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے لیکن اُسے زیادہ دیر تک ذہنی کشمکش میں مبتلا نہ رہنا پڑا ، کیونکہ چھوٹے نے سائیکل سے اترتے ہی اس کو سارا واقعہ سنا دیا ۔

شراب کی دوکان سے دوسری بوتل لے کر جونہی وہ باہر نکلا تو بارش شروع ہو چکی تھی ۔ اُسے جلد واپس پہنچنا تھا ۔ افراتفری میں اُس نے سائیکل پر سوار ہونے کی کوشش کی ۔ مگر وہ ایسی پھسلی کہ سنبھالے نہ سنبھلی ۔ سڑک پر اوندھے منہ گرا اور دوسری بوتل بھی جہنم میں چلی گئی ۔

چھوٹے نے ساری داستان تفصیل کے ساتھ سنا کر اللہ کا شکر ادا کیا ۔

"میں بچ گیا بھائی جان —— بوتل کا کوئی ٹکڑا اگر کپڑے چیر کر گوشت تک پہنچ جاتا ، تو اس وقت کسی اسپتال میں پڑا ہوتا ۔"

بڑے نے اللہ کا شکر ادا کرنا مناسب نہ سمجھا ۔ شراب کی دوکان سے جو آدمی اس کے بھائی کے ساتھ آیا تھا ، اس کو تیسری بوتل کے پیسے دے کر اُس نے بٹ پان فروش کی بند دوکان کی طرف دیکھا ، اور دل ہی دل میں ایک بہت ہولناک قسم کی گالی دے کر اُس کی دوکان کو بھسم کر ڈالا ۔

دونوں کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے ۔ چوک کے اس طرف نان کباب والے کے اوپر جو بالا خانہ تھا ۔ اُسی میں ان دونوں بھائیوں کی بالائی آمدن کا جائز نکاس ہوتا تھا ۔ لونڈیا کم گو تھی ۔ کھانے پینے والی تھی ۔ عادات و

اطوار کے لحاظ سے طائف کم اور کلرک زیادہ تھی، اسی لئے ان کو خوب پسند تھی۔ کہ وہ خود بھی کلرک تھے۔ جب دونوں خوب پی جاتے تو دفتری گفتگو شروع کر دیتے۔ ہیڈ کلرک کیسا ہے، صاحب کیسا ہے۔ اُس کے گھر والی کی طبیعت کیسی ہے۔ گھنٹوں اپنے اپنے ماتحتوں اور اپنے افسروں کے ماضی اور حال پر تبصرہ کرتے رہتے، اور وہ بڑے انہماک سے سنتی رہتی۔"

بہت کن سُری تھی۔ مگر دونوں بھائی اس کا گانا سن کر یوں جھومتے تھے جیسے وہ ان کے کانوں میں شہد ٹپکا رہی ہے۔ لیکن آج جب وہ گانے لگی تو ان کو پہلی مرتبہ محسوس ہوا کہ وہ سر میں ہے نہ تال میں۔ چنانچہ اس کا گانا بند کرا کے اُنہوں نے باقی بچی ہوئی شراب پینا شروع کر دی۔

طوائف جس کا نام شیداں تھا بہت کم پینے والی تھی، مگر جانے اُسے کیا ہوا کہ جب اُن بھائیوں نے اس کا گانا بند کرا کے پینا شروع کی تو وہ بہک گئی اور ایسی بہکی کہ وہ بوتل اٹھا کر ساری کی ساری سوکھی پی گئی۔

بڑے کو بہت غصّہ آیا، مگر وہ اِسے پی گیا۔ کیونکہ چھوٹا بڑے مزے میں تھا۔ لیکن زیادہ دیر تک اس پر یہ کیفیت طاری نہ رہی۔ کیونکہ جب اس نے اور پینے کے لئے بوتل اٹھائی تو وہ خالی تھی۔ اب دونوں یکساں طور پر بے مزہ تھے۔

بڑے نے چھوٹے سے مشورہ کرنا ضروری نہ سمجھا شیداں کے استاد مانڈو کو روپے دے کر اس نے کہا۔

"جاؤ بھاگ کر جاؤ، اور ایک بوتل جمخانہ وسکی لے آؤ۔"

استاد نے روپے گن کر جیب میں رکھے، اور کہا۔

"سرکار بلیک میں ملے گی۔"

بڑا جو پہلے ہی بھنّایا ہوا تھا، چلا کر بولا۔

"ہاں، ہاں جانتا ہوں۔ اسی لئے تو میں نے پانچ زیادہ دیئے ہیں۔"

جب خانہ آئی۔ دو دور چلے تو بڑے نے محسوس کیا کہ پانی ملی ہے۔ امتحان لینے کی خاطر اس نے تھوڑی سی رکابی میں ڈالی اور اس کو دیا سلائی دکھائی ایک لحظہ کے لئے نیم جاں نیلگوں سا دھواں اُٹھا اور دیا سلائی شوں کر کے رکابی میں بجھ گئی۔

دونوں بھائیوں کو اس قدر کوفت ہوئی کہ غصے میں بھرے ہوئے اُٹھے بڑے نے پانی ملی بوتل ہاتھ میں لی، اس کا ارادہ تھا کہ یہ اس شراب فروش کے سر پر دے مارے گا۔ جس نے بے ایمانی کی تھی۔ مگر فوراً اُسے خیال آیا، کہ ان کے پاس شراب پینے کا پرمٹ نہیں ہے۔ اس لئے مجبوراً اگالیاں دیکر خاموش ہو گئے۔

چھوٹے کی کوششوں سے بدمزگی کسی حد تک دور ہوئی تھی کہ شیداں نے جو اسکی مدد کر رہی تھی، سب کھایا پیا اگلنا شروع کر دیا۔ اب دونوں بھائیوں نے مناسب خیال کیا کہ چلا جائے، چنانچہ استاد کی تحویل سے سائیکلیں لے کر وہ ہیرا منڈی کی گلیوں میں دیر تک بے مقصد گھومتے رہے۔ مگر اس آوارہ گردی کے باوجود ان کی کوفت دور نہ ہوئی۔ واپس گھر جانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے، کہ انہیں بٹ دکھائی دیا۔ نشے میں دھت تھا، اور کوٹھوں

کی طرف گردن اٹھا اٹھا کر واہی تباہی بک رہا تھا۔ دونوں بھائیوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آگے بڑھ کر اس کا ٹینٹوا دبا دیں۔ مگر ان سے پہلے ایک سپاہی نے اس کو پکڑ کر تھانے لے گیا۔

چھوٹے نے بڑے سے کہا۔

"چلیے بھائی جان! ذرا تماشہ دیکھیں۔"

بڑے نے پوچھا۔

"کس کا۔"

"بٹ کا اور کس کا؟"

بڑے کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "پاگل ہوئے ہو —— تھانے میں اگر اس نے ہمیں پہچان لیا یا کسی نے ہمارے منہ کی بو سونگھ لی تو ہمیں اپنا تماشہ بھی ساتھ ساتھ دیکھنا پڑے گا۔"

چھوٹے نے دل ہی دل میں بڑے کی دور اندیشی کی داد دی اور کہا۔

"تو چلیے، گھر چلیں۔"

دونوں اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہوئے۔ بارش تھم چکی تھی، لیکن سرد ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ ابھی وہ ہیرا منڈی سے باہر نہیں نکلے تھے، کہ انہیں اس ٹانگے میں جو ان کے آگے آگے چل رہا تھا، اپنے دفتر کا بڑا افسر نظر آیا۔ دونوں نے ایک دم اس کی نگاہوں سے بچنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ کیونکہ وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔

"ہلو!"

انہوں نے اس ہلو کا جواب نہ دیا۔

"ہلو!"

اس ہلو کے جواب میں انہوں نے اپنی اپنی سائیکل روک لی ——

افسر نے ٹانگہ ٹھہرالیا اور ان سے بڑے مربیانہ انداز میں کہا۔

"کہو مسٹر عیش ہو رہے ہیں۔"

چھوٹے نے "جی ہاں۔" اور بڑے نے "جی نہیں" میں جواب دیا

اس پر افسر نے قہقہہ لگایا۔ "میرا عیش تو ادھورا رہا۔"

پھر اس نے افسرانہ انداز میں پوچھا۔

"تمہارے پاس کچھ روپے ہیں؟"

اس مرتبہ بڑے نے "جی ہاں۔" اور چھوٹے نے "جی نہیں" میں جواب دیا۔ جس پر افسر نے دوسرا قہقہہ بلند کیا۔ جو ٹھیٹ افسرانہ تھا۔

"ایک سو روپے کافی ہوں گے اس وقت۔"

بڑے نے بڑے میکانکی انداز میں اپنی جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالا اور اپنے چھوٹے بھائی کی طرف بڑھا دیا۔ چھوٹے نے پکڑ کر افسر کے حوالہ کر دیا۔ جس نے "تھینک یو" کہا اور تانگے سے اتر کر لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

دونوں بھائی تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ بڑے نے تمام حالات پیش نظر رکھ کے اپنے سر کو زور سے جنبش دی "معلوم نہیں آج صبح صبح کس کا منہ دیکھا تھا۔"

چھوٹے کے منہ سے یہ بڑی گالی نکلی " امی ـــــــ کا، جس نے دو سو ایک روپے دیئے ۔"

بڑے نے بھی اس کو مناسب و موزوں گالی سے یاد کیا ۔ " ٹھیک کہتے ہو ـــــــ لیکن میں سمجھتا ہوں، سارا قصور اُس فالتو روپے کا ہے جو اس نے اپنی ماں کی رواں سے شگن کے طور پر دیا تھا ۔"

" اس نماز کا بھی جو ہم نے پڑھی ۔"

" اور اُس حرامی بٹے کا بھی ۔"

" میں تو شکر کرتا ہوں کہ پولیس نے اس کو پکڑ لیا، ورنہ میں نے آج ضرور اس کا خون کر دیا ہوتا ۔"

" اور لینے کے دینے پڑ جاتے ۔"

" لینے کے دینے تو پڑ ہی گئے ـــــــ خدا معلوم یہ ہمارا افسر کہاں سے آن ٹپکا ۔"

" لیکن میں سمجھتا ہوں اچھا ہی ہوا ـــــــ سو روپے میں سالا کانا ہو گیا ۔"

" یہ تو ٹھیک ہے ـــــــ لیکن آج کی شام بہت بری طرح غارت ہو گئی ۔"

" چلو چلیں، ایسا نہ ہو کوئی اور آفت آجائے ۔"

دونوں پھر اپنی اپنی سائیکل پر سوار ہوئے اور ہیرا منڈی سے نکل آئے ۔

بڑے نے دفتر سے نکلتے ہی یہ منصوبہ بنایا تھا کہ اسکاچ کے دو تین دور ہونے کے بعد وہ شیداں سے کہے گا کہ وہ اپنی چھوٹی بہن کو بلائے اسکی وہ بہت تعریفیں کیا کرتی تھی ۔ کم عمر اور الھڑ تھی ۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اس نے گاؤں کی صحت مند فضا میں گذارا تھا ۔ اور دھندا شروع کئے اُسے مشکل سے چند ماہ ہوئے تھے ۔

اسکاچ وسکی اور شیداں کی چھوٹی بہن ——— اس سے بڑھکر اور کیا عیاشی ہو سکتی تھی ۔ ——— مگر اس کا یہ سارا منصوبہ خاک میں مل گیا ۔ اور صرف کوفت باقی رہ گئی ۔

چھوٹے نے بھی گل کھیلنے کی سوچی تھی ۔ موسم خوشگوار تھا ۔ وسکی ، اور شیداں یقینی طور پر اُسے اور بھی خوشگوار بنا دیتے ۔ اور وہ اس قدر محظوظ ہوتا کہ پندرہ بیس روز تک اُسے اور کسی عیاشی کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ۔ ——— مگر سارا معاملہ چوپٹ ہو گیا ۔

دونوں کے سر بھاری اور دل کڑوے کسیلے تھے ۔ ——— دونوں کی ہر بات الٹی ثابت ہوئی تھی ۔ اسکاچ کی پہلی بوتل بٹ مان فردوس نے اڑا دی دوسری سڑک کے پتھروں پر ٹوٹ کر بہہ گئی ۔ تیسری ملین اسی وقت داغِ مفارقت دے گئی جب کہ سرور گھٹ رہے تھے ۔ چوتھی کفایت کی خاطر دیسی منگوائی تو اس میں آدھا پانی نکلا ——— اور سو کا آخری نوٹ افسر نے ہتھیا لیا ۔

بڑے کی کوفت زیادہ شدید تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دماغ میں

عجیب عجیب سے خیال آ رہے تھے۔ وہ چاہتا کہ اور بھی کچھ ہو ـــــ کوئی ایسی بات ہو کہ وہ کتوں کی طرح زور زور سے بھونکنا شروع کر دے ـــــ یا ایسا زچ ہو کہ اپنی سائیکل کے پرزے پرزے اُڑا دے اپنے تمام کپڑے اتار کر پھینک دے، اور ننگ دھڑنگ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔ جس طرح حالات نے اس کا مضحکہ اڑایا تھا، اسی طرح وہ ان کا مضحکہ اڑانا چاہتا تھا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ حالات پیدا ہو کر وہیں ہیرا منڈی میں وفات پا گئے تھے۔ اب نئے حالات اور وہ بھی ایسے حالات کیسے پیدا ہوں، جن کا وہ حسب منشا مضحکہ اڑا سکے۔ اس کے متعلق سوچنے سے وہ خود کو عاری پاتا تھا۔

ایک صرف گھر تھا، جہاں وہ لحاف اوڑھ کر سو سکتے تھے ـــــ مگر خالی خولی لحاف اوڑھ کر سو جانے میں کیا رکھا تھا۔ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ وہ سو سو کے دو نوٹوں میں چرس یا تمباکو بھرتے اور پی کر انٹا غفیل ہو جاتے اور صبح اُٹھ کر شگن کے ایک روپے کا کسی پیر فقیر کے مزار پر چڑھاوا چڑھا دیتے

سوچتے سوچتے بڑے نے زور کا نعرہ بلند کیا:۔

"بہت تیری ایسی کی تیسی"

چھوٹے نے گھبرا کے پوچھا:۔

"پنکچر ہو گیا ہے"

بڑے نے جھنجھلا کر جواب دیا:۔

"نہیں یار ـــــ میں نے اپنا دماغ پنکچر کرنے کی کوشش کی تھی"

چھوٹا سمجھ گیا "اب جلدی گھر پہنچ جائیں۔"

بڑے کی جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوگیا۔ "وہاں کیا کریں گے ——— بطخوں کے بال مونڈیں گے۔"

چھوٹا بے اختیار ہنسنے لگا۔ بڑے کو یہ ہنسی بہت ناگوار گزری "خاموش رہو جی۔"

دیر تک دونوں خاموشی میں گھر کا راستہ طے کرتے رہے۔ اب وہ اُس سڑک پر تھے جو لوہے کی زنگ آلود چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ ان کی سائیکلوں کے پہیوں کے نیچے ہولے ہولے کھسک رہی ہے۔

بڑے نے جب اپنے سرد ہاتھ مُنہ کی بھاپ سے گرم کیے اور کہا۔ "سخت سردی ہے"

تو چھوٹے نے از راہ مذاق پوچھا:

"بھائی جان، وہ ——— وہ وسکی کہاں گئی ؟"

بڑے کے جی میں آئی کہ چھوٹے کو سائیکل سمیت اٹھا کر سڑک پر پٹک دے، مگر اس قدر کہہ سکا۔

"جہنم میں ——— جہاں ساری شام غارت ہوئی، وہاں وہ بھی ہوئی۔"

یہ کہہ کر وہ بجلی کے کھمبے کے ساتھ کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ اتنے میں چھوٹے نے آواز دی "بھائی جان، وہ دیکھئے کون آرہا ہے۔"

بڑے نے مڑ کر دیکھا، ایک لڑکی تھی جو سردی میں ٹھٹھرتی، کانپتی اور قدموں سے راستہ ٹٹولتی، اس کی جانب آرہی تھی۔ جب پاس پہنچی تو اُس نے دیکھا کہ اندھی ہے۔ آنکھیں کھلی تھیں مگر اس کو سجھائی نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ کھمبے کے ساتھ وہ ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی۔

بڑے نے غور سے اسکی طرف دیکھا ـــــــ جوان تھی، عمر یہی سولہ سترہ برس کے قریب ہوگی۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں بھی اس کا سڈول بدن جاذب توجہ تھا۔ چھوٹے نے اس سے پوچھا :-

"کہاں جارہی ہے تو؟"

اندھی نے ٹھٹھرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا :-

"راستہ بھول گئی ہوں ـــــــ گھر سے آگ لینے کے لئے نکلی تھی۔"

بڑے نے پوچھا :-

"تیرا گھر کہاں ہے؟"

اندھی بولی :-

"پتہ نہیں ـــــــ کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔"

بڑے نے اس کا ہاتھ پکڑا "چل میرے ساتھ۔"

اور وہ اُسے سڑک کے کنارے اس پار لے گیا، جہاں اینٹوں کا پرانا بھٹہ تھا۔ ویرانے کی شکل میں بکھرا ہوا تھا۔ اندھی سمجھ گئی کہ اس کو راستہ بتانے والا اُسے کس راستے پر لے جارہا ہے۔ مگر اُس نے کوئی مزاحمت

نہ کی ــــــ شاید وہ ایسے راستوں پر کئی مرتبہ چل چکی تھی۔

بڑا خوش تھا کہ چلو کوفت دور کرنے کا سامان مل گیا۔ کسی کی مداخلت کا کھٹکا بھی نہیں تھا۔ اور کوٹ اتار کر اس نے زمین پر بچھایا اور وہ اور اندھی دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اندھی جنم کی اندھی نہیں تھی۔ فسادات سے پہلے وہ اچھی بھلی تھی۔ لیکن جب بلوائیوں نے اُس کے گاؤں پر حملہ کیا تو بھگدڑ میں اس کے سر پر گہری چوٹ لگی۔ جس کے باعث اس کی بصارت چلی گئی۔

بڑے نے اوپرے دل سے اس سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُس کو اس کے ماضی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دو روپے جیب سے نکال کر اُس کی ہتھیلی پر رکھے اور کہا:-

"کبھی کبھی ملتی رہا کرنا۔ میں تمہیں کپڑے بھی بنوا دوں گا۔"

اندھی بہت خوش ہوئی۔ بڑے نے جب اُس کو اپنی روشن آنکھوں اور پھرتیلے ہاتھوں سے اچھی طرح ٹٹولا تو وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اس کی کوفت کافی حد تک دور ہو گئی۔ لیکن ایک دم اُسے اپنے چھوٹے بھائی کی بھنچی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بھائی جان ــــــ بھائی جان!"

بڑے نے پوچھا "کیا ہے؟"

چھوٹا سامنے آیا، بڑے خوف زدہ لہجے میں اُس نے کہا:-

"دو سپاہی آ رہے ہیں"

لڑکے نے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے، زور سے اپنا اوور کوٹ کھینچا، جس پر اندھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جھٹکے سے وہ اُس خندق میں گر پڑی جس میں سے پکی ہوئی اینٹیں نکال لی گئی تھیں۔ گرتے وقت اُس کے منہ سے بلند چیخ نکلی، مگر دونوں بھائی وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔

چیخ سن کر سپاہی آئے تو انہوں نے بیہوش اندھی کو خندق میں سے باہر نکالا ــــــ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا ــــــ تھوڑی دیر کے بعد اُسے ہوش آیا، تو اُس نے سپاہیوں کو یوں دیکھنا شروع کیا جیسے وہ بھوت ہیں ــــــ پھر ایک دم دیوانہ وار چلّانے لگی "میں دیکھ سکتی ہوں ــــــ میں دیکھ سکتی ہوں ــــــ میری نظر واپس آگئی ہے"

یہ کہہ کر وہ بھاگ گئی۔ اس کے ہاتھ سے جو دو روپے گرے وہ سپاہیوں نے اٹھا لئے۔

پھندنی

کوٹھی سے ملحقہ وسیع وعریض باغ میں جھاڑیوں کے پیچھے ایک بلی نے بچے دیئے تھے۔ جو بڑے بڑے ہو گئے تھے ——— اور دن رات کوٹھی کے اندر باہر بھونکتے اور گندگی پھیلاتے رہتے تھے۔ ان کو زہر دیدیا گیا تھا ——— ایک ایک کر کے سب مر گئے تھے، ان کی ماں بھی ——— ان کا باپ معلوم نہیں کہاں تھا، وہ ہوتا تو اس کی موت بھی یقینی تھی۔

جانے کتنے برس گزر چکے تھے ——— کوٹھی سے ملحقہ باغ کی جھاڑیاں سینکڑوں ہزاروں مرتبہ کتری ہوئی، کاٹی چھانٹی جا چکی تھیں۔ کئی بلیوں اور کتیوں نے ان کے پیچھے بچے دیئے تھے۔ جن کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا ——— اس کی اکثر بد عادت مرغیاں وہاں انڈے دیا کرتی تھیں۔ جن کو ہر صبح اٹھا کر وہ اندر لے جاتی تھی۔

اسی باغ میں کسی آدمی نے ان کی نوجوان ملازمہ کو بڑی بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ —— اس کے گلے میں اس کا پھندنوں والا سُرخ ریشمی ازار بند جو اس نے دو روز پہلے پھیری والے سے آٹھ آنے میں خرید اتھا، پھنسا ہوا تھا۔ اس زور سے قاتل نے پیچ دیئے تھے کہ اس کی آنکھیں باہر نکل آئی تھیں

اس کو دیکھ کر اس کو اتنا تیز بخار چڑھا تھا، کہ بے ہوش ہو گئی تھی —— اور شاید ابھی تک بے ہوش تھی لیکن نہیں ایسا کیونکر ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ اس قتل کے بعد مرغیوں نے انڈے نہ ہی بلبلوں نے بچے دیئے تھے، اور ایک شادی ہوئی تھی۔ — کتیا تھی جس کے گلے میں لال ڈوپٹہ تھا۔ ریشمی —— جھلمل جھلمل کرتا۔ اس کی آنکھیں باہر نکلی ہوئی نہیں تھیں۔ اندر دھنسی ہوئی تھیں۔

باغ میں بینڈ بجا تھا۔ سرخ وردیوں والے سپاہی آئے تھے جو رنگ برنگی مشکیں بغلوں میں دبا کر منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکالتے تھے۔ ان کی وردیوں کے ساتھ کئی پھندنے لگے تھے۔ جنہیں اُٹھا اٹھا کر لوگ اپنے ازار بندوں میں لگاتے جاتے تھے —— پر جب صبح ہوئی تھی تو ان کا نام و نشان تک نہیں تھا —— سب کو زہر دیدیا گیا تھا۔

دلہن کو جانے کیا سوجھی کم بخت نے جھاڑیوں کے پیچھے نہیں، اپنے بستر پر صرف ایک بچہ دیا —— جو بڑا گل گوتھنا لال پھندنا تھا۔ اس کی ماں مر گئی۔۔ باپ بھی —— دونوں کو بچے نے مارا —— اس کا باپ معلوم نہیں کہاں تھا۔ وہ ہوتا تو اس کی موت بھی ان دونوں کے ساتھ ہوتی۔

سرخ وردیوں والے سپاہی، بڑے بڑے پھندنے لٹکائے جانے کہاں

غائب ہو گئے کہ پھر نہ آئے۔ باغ میں بلے گھومتے تھے، جو اسے گھورتے تھے۔
اس کو پھیپھڑوں کی بھری ہوئی ٹوکری سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس میں نارنگیاں تھیں۔
ایک دن اس نے اپنی دو نارنگیاں نکال کے آئینہ کے سامنے رکھ دیں۔
اس کے پیچھے ہو کے اس نے اس کو دیکھا۔ مگر نظر نہ آئیں۔ اس نے سوچا اس کی وجہ
یہ ہے کہ چھوٹی ہیں ——— مگر وہ اس کے سوچتے سوچتے ہی بڑی ہو گئیں۔ اور
اس نے ریشمیں کپڑے میں لپیٹ کر آتش دان پر رکھ دیں۔
اب کتے بھونکنے لگے ...... نارنگیاں فرش پر لڑھکنے لگیں ———
کوٹھی کے ہر فرش پر اچھلیں، ہر کمرہ میں کودیں، اور اچھلتی کودتی بڑے بڑے باغوں
میں بھاگنے دوڑنے لگیں، کتے ان سے کھیلتے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے
رہتے۔

جانے کیا ہوا، ان کتوں میں دو زہر کھا کے مر گئے۔ جو باقی بچے وہ ان کی
ادھیڑ عمر کی موٹی کٹی ملازمہ کھا گئی۔ یہ اس نوجوان کی جگہ آئی تھی جس کو کسی آدمی نے
قتل کر دیا تھا۔ گلے میں اس کے پھندنوں والا ازار بند کا پھندا ڈال کر۔

اس کی ماں تھی، ادھیڑ عمر کی ملازمہ سے عمر میں چھ سات برس بڑی تھی۔ اس
کی طرح ہی کٹی نہیں تھی۔ ہر روز صبح شام موٹر میں سیر کو جاتی تھی۔ اور بد عادت
مرغیوں کی طرح دور دراز باغوں میں جھاڑیوں کے پیچھے انڈے دیتی تھی۔ ان کو وہ
خود اٹھا کے لاتی تھی نہ ڈرائیور۔

اور میٹ بنا تی تھی، جس کے داغ کپڑوں پر پڑ جاتے تھے، سوکھ جاتے تو ان
کو باغ میں جھاڑیوں کے پیچھے پھینک دیتی تھی۔ جہاں سے چیلیں اٹھا کر لے جاتی تھیں

ایک دن اس کی سہیلی آئی ـــــ پاکستان میل، موٹر نمبر ۱۲، ۶ ۹ پی ایل
بڑی گرمی تھی ۔ ڈیڈی پہاڑ پر تھے ۔ ممی سیر کرنے گئی ہوئی تھیں ۔ ـــــ پسینے
چھوٹ رہے تھے ۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اپنی بلاؤز اتاری اور پنکھے
کے نیچے کھڑی ہوگئی ۔ اس کے دودھ ابلے ہوئے تھے ۔ جو آہستہ آہستہ ٹھنڈے
ہوگئے ۔ اس کے دودھ ٹھنڈے تھے ، جو آہستہ آہستہ اُبلنے لگے ۔ آخر دونوں دودھ
بل بل کے کنکنے ہوگئے اور کھٹی لسی بن گئے ۔

اس سہیلی کا بینڈ بج گیا ـــــ مگر وہ وردی والے سپاہی پھندنے
نچاتے نہ آئے ۔ ان کی جگہ پیتل کے برتن تھے ۔ چھوٹے اور بڑے جن سے
آوازیں نکلتی تھیں ۔ گرجدار اور دھیمی ـــــ دھیمی اور گرجدار ۔

یہ سہیلی پھر جب ملی تو اس نے بتایا کہ وہ بدل گئی ہے ۔ سچ مچ بدل گئی تھی ۔
اس کے اب دو پیٹ تھے ۔ ایک پرانا دوسرا نیا ، ایک کے اوپر دوسرا چڑھا ہوا
تھا ۔ اس کے دودھ پھٹے ہوئے تھے ۔

پھر اس کے بھائی کا بینڈ بجا ـــــ ادھیڑ عمر کی ہٹی کٹی ملازمہ بہت
روئی ۔ اس کے بھائی نے اس کو بہت دلاسا دیا ۔ بیچاری کو اپنی شادی یاد
آگئی تھی ۔

رات بھر اس کے بھائی اور اس کی دولہن کی لڑائی ہوتی رہی ۔ وہ ہنستا
رہا ـــــ صبح ہوئی تو ادھیڑ عمر کی ہٹی کٹی ملازمہ اس کے بھائی کو دلاسا دینے
کے لئے اپنے ساتھ لے گئی ۔ دلہن کو نہلایا گیا ـــــ اس کی شلوار میں اس کا
لال پھندنوں والا ازار بند پڑا تھا ـــــ معلوم نہیں یہ دلہن کے گلے

میں کیوں نہ باندھا گیا۔

اس کی آنکھیں بہت موٹی تھیں۔ جب گلا زور سے گھونٹا جاتا، تو وہ ذبح کئے ہوئے بکرے کی آنکھوں کی طرح باہر نکل آتیں۔ اور اس کو بہت تیز بخار چڑھتا مگر پہلا تو ابھی تک اترا نہیں ـــ ہو سکتا ہے اتر گیا ہو اور یہ نیا بخار ہو۔ جس میں وہ ابھی تک بیہوش ہے۔

اس کی ماں موٹر ڈرائیوری سیکھ رہی ہے ـــ باپ ہوٹل میں رہتا ہے۔ کبھی کبھی آتا ہے۔ اور اپنے لڑکے سے مل کر چلا جاتا ہے۔ لڑکا کبھی کبھی اپنی بیوی کو گھر بلا لیتا ہے۔ ادھیڑ عمر کی ہٹی کٹی ملازمہ کو دو تین روز کے بعد کوئی یاد ستاتی ہے تو رونا شروع کر دیتی ہے۔ وہ اُسے دلاسا دیتا ہے، وہ اُسے پچکارتی ہے اور دولہن چلی جاتی ہے۔

اب، وہ اور دولہن بھابی دونوں سیر کو جاتی ہیں ـــ سہیلی بھی پاکستان میل، موٹر نمبر ۱۲۹۶، ایل ـــ سیر کرتے کرتے اجنتا جا نکلتی ہیں۔ جہاں تصویریں بنانے کا کام سکھایا جاتا ہے۔ تصویریں دیکھ کر تینوں تصویر بن جاتی ہیں، رنگ ہی رنگ، لال، پیلے، ہرے، نیلے ـــ سب کے سب چیخنے والے ہیں۔ ان کو ان رنگوں کا خالق چپ کراتا ہے۔ اس کے لمبے لمبے بال ہیں سردیوں اور گرمیوں میں اوورکوٹ پہنتا ہے۔ اچھی شکل و صورت کا ہے۔ اندر باہر ہمیشہ کھڑاؤں استعمال کرتا ہے ـــ اپنے رنگوں کو چپ کرانے کے بعد خود چیخنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کو یہ تینوں چپ کراتی ہیں۔ اور بعد میں خود چلانے لگتی ہیں۔

تینوں اجنتا میں مجرد آرٹ کے سینکڑوں نمونے بناتی رہیں۔ ایک کی ہر تصویر میں عورت کے دو پیٹ ہوتے ہیں۔ مختلف رنگوں کے۔ دوسری کی تصویروں میں عورت ادھیڑ عمر کی ہوتی ہے۔ ہٹی کٹی۔ تیسری کی تصویروں میں پھندنے ہی پھندنے۔ آزار بندوں کا گچھا۔

مجرد تصویریں بِک رہیں۔ مگر تینوں کے دودھ سوکھتے رہے۔ بڑی گرمی تھی، اتنی کہ تینوں پسینے میں شرابور تھیں۔ خس لگے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی اُنہوں نے اپنے بلاؤز اتارے اور پنکھے کے نیچے کھڑی ہو گئیں۔ پنکھا چلتا رہا، دودھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوئی نہ گرمی۔

اس کی ممی دوسرے کمرے میں تھی۔ ڈرائیور اس کے بدن سے موبل آئل پونچھ رہا تھا۔

ڈیڈی ہوٹل میں تھا، جہاں اس کی لیڈی سٹینوگرافر اس کے ماتھے پر باڈی کلون مل رہی تھی۔

ایک دن اس کا بھی بینڈ بج گیا۔ اجاڑ باغ پھر بارونق ہو گیا۔ گملوں اور دروازوں کی آرائش۔ اجنتا اسٹڈیو کے مالک نے کی تھی۔ بڑی بڑی گہری لپ اسٹکیں، اس کے بکھرے ہوئے رنگ دیکھ کر اڑ گئیں۔ جو زیادہ سیاہی مائل تھی۔ اتنی اڑی کہ وہیں گر کر اس کی شاگرد ہو گئی۔

اس کے عروسی لباس کا ڈیزائن بھی اس نے تیار کیا تھا۔ اس نے اس کی ہزاروں سمتیں پیدا کر دی تھیں۔ عین سامنے سے دیکھو تو وہ مختلف رنگ کے آزار بندوں کا بنڈل معلوم ہوتی تھی۔ ذرا ادھر ہٹ جاؤ تو پھلوں کی ٹوکری تھی،

ایک طرف ہو جاؤ تو کھڑکی پر پڑا ہوا پھلکاری کا پردہ۔ عقب میں چلے جاؤ تو کچلے ہوئے تربوزوں کا ڈھیر۔۔۔۔ ذرا زاویہ بدل کر دیکھو تماٹو ساس سے بھرا ہوا مرتبان۔ اوپر سے دیکھو تو یگانہ آرٹ۔ نیچے سے دیکھو تو میراجی کی مبہم شاعری۔

فن شناس نگاہیں عش عش کر اٹھیں۔۔۔۔ دولہا اس قدر متاثر ہوا کہ شادی کے دوسرے روز ہی اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ بھی مجرد آرٹسٹ بن جائے گا۔ چنانچہ اپنی بیوی کے ساتھ وہ اجنتا گیا۔ جہاں انہیں معلوم ہوا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے۔ اور وہ چند روز سے اپنی ہونے والی دلہن ہی کے ساتھ رہتا ہے۔

اس کی ہونے والی دلہن وہی گہرے رنگ کی لپ اسٹک تھی۔ جو دوسری لپ اسٹکوں کے مقابلے میں زیادہ سیاہی مائل تھی۔ شروع شروع میں چند مہینے تک اس کے شوہر کو اس سے اور مجرد آرٹ سے دلچسپی رہی۔ لیکن جب اجنتا اسٹوڈیو بند ہو گیا اور اس مالک کی کہیں سے بھی سن گن نہ ملی تو اس نے نمک کا کاروبار شروع کر دیا۔ جو بہت نفع بخش تھا۔

اس کاروبار کے دوران میں اس کی ملاقات ایک لڑکی سے ہوئی جس کے دودھ سوکھے ہوئے نہیں تھے۔ یہ اس کو پسند آ گئے۔ بینڈ نہ بجا۔ لیکن ہو گئی۔ پہلی اپنے برش اٹھا کر لے گئی۔ اور الگ رہنے لگی۔

یہ ناچاقی پہلے تو دونوں کے لئے تلخی کا باعث ہوئی، لیکن بعد میں ایک عجیب و غریب مٹھاس میں تبدیل ہو گئی۔ اس کی سہیلی نے جو دوسرا شوہر

تبدیل کرنے کے بعد سارے یورپ کا چکر لگا آئی تھی اور اب دق کی مریض تھی اس مٹھاس کو کیوبک آرٹ میں پینٹ کیا۔ صاف شفاف چینی کے بیشمار کیوب تھے۔ جو تھوہر کے پودوں کے درمیان اس انداز سے اوپر تلے رکھے تھے۔ کہ ان سے دو شکلیں بن گئی تھیں۔ ان پر شہد کی مکھیاں بیٹھی رس چوس رہی تھیں۔

اس کی دوسری سہیلی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ جب اس کو یہ المناک خبر ملی تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ معلوم نہیں یہ نئی تھی یا وہی پرانی جو بڑے تیز بخار کے بعد ظہور میں آئی تھی۔

اس کا باپ یوڈی کلون میں تھا جہاں اس کا ہوٹل اس کی لیڈی سٹینوگرافر کا مہ بہلاتا تھا۔

اس کی ممی نے گھر کا سارا حساب کتاب ادھیڑ عمر کی ہٹی کٹی ملازمہ کے حوالہ کر دیا تھا۔ اب اس کو ڈرائیونگ آ گئی تھی، مگر بہت بیمار ہو گئی تھی۔ مگر پھر بھی اس کو ڈرائیور کے بن ماں کے بچے کا بہت خیال تھا۔ وہ اُس کو اپنا موبل آئل پلاتی تھی۔

اس کی بھابی اور اس کے بھائی کی زندگی بہت ادھیڑ اور ہٹی کٹی ہو گئی تھی۔ دونوں آپس میں بڑے پیار سے ملتے تھے کہ اچانک ایک رات جب کہ ملازمہ اور اس کا بھائی گھر کا حساب کر رہے تھے۔ اس کی بھابی نمودار ہوئی وہ مجرد تھی ——— اس کے ہاتھ میں قلم تھا نہ برش۔ لیکن اُس نے دونوں کا حساب صاف کر دیا۔

صبح کمرے میں سے بہتے ہوئے لہو کے دو بڑے بڑے پھندنے نکلے جو اس کی بھابی کے گلے میں لگا دیئے گئے۔

اب وہ قدرے ہوش میں آئی۔ خاوند سے ناچاقی کے باعث اس کی زندگی تلخ ہو کر بعد میں عجیب و غریب مٹھاس میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس نے اس کو تھوڑا سا تلخ بنانے کی کوشش کی اور شراب پینا شروع کی۔ مگر ناکام رہی، اس لئے کہ مقدار کم تھی۔ اس نے مقدار بڑھا دی۔ حتیٰ کہ وہ اس میں ڈبکیاں لینے لگی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ اب غرق ہوئی اور اب غرق ہوئی۔ مگر وہ سطح پر ابھر آتی تھی۔ مُنہ سے شراب پونچھتی ہوئی اور قہقہے لگاتی ہوئی۔

صبح کو جب اٹھی تو اُسے محسوس ہوا کہ رات بھر اس کے جسم کا ذرہ ذرہ ڈھاڑیں مار مار کر روتا رہا ہے۔ اس کے وہ سب بچے جو پیدا ہو سکتے تھے ان قبروں میں جو ان کے لئے بن سکتی تھیں اس دودھ کے لئے جو ان کا ہو سکتا تھا، بلک بلک کر رو رہے ہیں ——— مگر اس کے دودھ کہاں تھے ——— وہ تو جنگلی بلے پی چکے تھے۔

وہ اور زیادہ پیتی کہ اتھاہ سمندر میں ڈوب جائے۔ مگر اس کی خواہش پوری نہ ہوتی تھی۔ ذہین تھی، پڑھی لکھی تھی، جنسی موضوعات پر بغیر کسی تصنع کے بے تکلف گفتگو کرتی تھی۔ مردوں کے ساتھ جسمانی رشتہ قائم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی تھی۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی رات کی تنہائی میں اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنی کسی بدعادت مرغی کی طرح جھاڑیوں کے پیچھے جائے اور ایک انڈا

دے آئے۔

بالکل کھوکھلی ہوگئی۔ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا، تو اس سے لوگ دور رہنے لگے —— وہ سمجھ گئی۔ چنانچہ وہ ان کے پیچھے نہ بھاگی اور اکیلے گھر میں رہنے لگی۔ سگریٹ پر سگریٹ پھونکتی۔ شراب پیتی اور جانے کیا سوچتی رہتی —— رات کو بہت کم سوتی تھی۔ کوٹھی کے ارد گرد گھومتی رہتی تھی۔

سامنے کوارٹر میں ڈرائیور کا بن ماں کا بچّہ موبل آئل کے لئے رونا رہتا تھا۔ مگر اس کی ماں کے پاس ختم ہوگیا تھا۔ ڈرائیور نے اکسی ڈنٹ کر دیا تھا۔ موٹر گیرج میں) اور اس کی ماں اسپتال میں پڑی تھی۔ جہاں اس کی ایک ٹانگ کاٹی جا چکی تھی۔ دوسری کاٹی جانے والی تھی۔

وہ کبھی کبھی کوارٹر کے اندر جھانک کر دیکھتی تو اس کو محسوس ہوتا کہ اس کے دودھوں کی تلچھٹ میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوئی ہے۔ مگر اس بدذائقہ شے سے تو اس بچے کے ہونٹ بھی تر نہ ہوتے۔

اس کے بھائی نے کچھ عرصہ سے باہر رہنا شروع کر دیا تھا۔ آخر ایک دن اس کا خط سوئیزرلینڈ سے آیا کہ وہ وہاں اپنا علاج کرا رہا ہے۔ نرس بہت اچھی ہے۔ ہسپتال سے نکلتے ہی وہ اس سے شادی کرنے والا ہے۔

ادھیڑ عمر کی ہٹی کٹی ملازمہ نے تھوڑا زیور، کچھ نقدی اور بہت سے کپڑے جو اس کی ممی کے تھے، چرائے اور چند روز کے بعد غائب ہوگئی۔ اس کے بعد اس کی ماں اوپریشن ناکام ہونے کے باعث ہسپتال میں مرگئی —

اس کا باپ جنازے میں شامل ہوا۔ اس کے بعد اُس نے اس کی صورت نہ دیکھی۔

اب وہ بالکل تنہا تھی۔ جتنے نوکر تھے اس نے علیحدہ کر دیئے، ڈرائیور سمیت۔ اس کے بچے کے لئے اس نے ایک آیا رکھ دی ۔ کوئی بوجھ سوائے اس کے خیالوں کے باقی نہ رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ آہستہ آہستہ اُسے ان سے بھی چھٹکارا مل جائے۔ کبھی کبھار اگر کوئی اس سے ملنے آتا تو وہ اندر سے چلا اُٹھتی تھی "دو چلے جاؤ ـــــ جو کوئی بھی تم ہو چلے جاؤ ـــــ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔"

سیف میں اس کو اپنی ماں کے بے شمار قیمتی زیورات ملے تھے۔ اس کے اپنے بھی تھے۔ جن سے ان کو کوئی رغبت نہ تھی۔ مگر وہ اب رات کو گھنٹوں آئینے کے سامنے ننگی بیٹھ کر یہ تمام زیور اپنے بدن پر سجاتی اور شراب پی کر گن بھری آواز میں فحش گانے گاتی تھی۔ آس پاس اور کوئی کوٹھی نہیں تھی۔ اس لئے اُسے مکمل آزادی تھی۔

اپنے جسم کو تو وہ کئی طریقوں سے ننگا کر چکی تھی۔ اب وہ چاہتی تھی کہ اپنی روح کو بھی ننگا کر دے۔ مگر اس میں وہ زبردست حجاب محسوس کرتی تھی ۔ اس حجاب کو دبانے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ اس کی سمجھ میں آتا تھا، کہ پیئے اور خوب پیئے اور اس حالت میں اپنے ننگے جسم سے مدد لے ـــــ مگر یہ ایک بہت بڑا المیہ تھا، کہ وہ آخری حد تک ننگا ہو کر ستر پوش ہو گیا تھا۔

تصویریں بنا بنا کر وہ تھک چکی تھی ـــــ ایک عرصے سے اس کا پینٹنگ کا

سامان صندوقچے میں بند پڑا تھا۔ لیکن ایک دن اس نے سب رنگ نکالے اور بڑے بڑے پیالوں میں گھولے تمام برش دھو دھا کر ایک طرف رکھے اور سامنے ننگی کھڑی ہوگئی اور اپنے جسم پر نئے خدوخال بنانے شروع کئے اس کی یہ کوشش اپنے وجود کو مکمل طور پر عریاں کرنے کی تھی۔

گو وہ اپنا سامنا حصہ ہی پینٹ کر سکتی تھی۔ دن بھر وہ اس میں مصروف رہی بن کھائے پیئے، آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بدن پر مختلف رنگ جماتی اور ٹیڑھے ننگے خطوط بناتی رہی۔ اس کے برش میں اعتماد تھا۔۔۔۔ آدھی رات کے قریب اُس نے دور ہٹ کر اپنا بغور جائزہ لے کر اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد اس نے تمام زیورات ایک کر کے اپنے رنگوں سے لتھڑے ہوئے جسم پہ سجائے۔ اور آئینہ میں ایک بار پھر غور سے دیکھا کہ ایک دم آہٹ ہوئی۔

اس نے پلٹ کر دیکھا ۔۔۔ ایک آدمی چھرا ہاتھ میں لئے، مُنہ پر ڈھاٹا باندھے کھڑا تھا۔ جیسے حملہ کرنا چاہتا ہے مگر جب وہ مڑی تو حملہ آور کے حلق سے چیخ بلند ہوئی۔ چھرا اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ افراتفری کے عالم میں کبھی ادھر کا رُخ کیا، کبھی اُدھر کا ۔۔۔۔ آخر جو رستہ ملا اس میں سے بھاگ نکلا۔

وہ اس کے پیچھے بھاگی چیختی پکارتی "ٹھہرو ۔۔۔ ٹھہرو ۔۔۔ میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی ۔۔۔ ٹھہرو۔"

مگر چور نے اس کی ایک نہ سنی اور دیوار پھاند کر غائب ہوگیا۔ مایوس ہوکر واپس آئی، دروازے کی دہلیز کے پاس چور کا خنجر پڑا تھا۔ اُس نے

اُسے اٹھا لیا۔ اور اندر چلی گئی ــــــ اچانک اس کی نظریں آئینے سے دو چار ہوئیں۔ جہاں اس کا دل تھا۔ وہاں اس نے میان نما، چمڑے کا رنگ کا خول سا بنایا ہوا تھا۔ اس نے اس پر خنجر رکھ کر دیکھا۔ خول بہت چھوٹا تھا۔ اس نے خنجر پھینک دیا۔ اور بوتل میں سے شراب کے چار پانچ بڑے بڑے گھونٹ پی کر ادھر اُدھر ٹہلنے لگی ــــــ وہ کئی بوتلیں خالی کر چکی تھی۔ کھایا کچھ بھی نہیں تھا۔ دیر تک ٹہلنے کے بعد وہ پھر آئینے کے سامنے آئی۔ اس کے گلے میں آزار بند نما گلو بند تھا۔ جس کے بڑے بڑے پھندنے تھے۔ یہ اُس نے برش سے بنایا تھا۔

دفعتاً اس کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ گلو بند تنگ ہونے لگا ــــــ آہستہ آہستہ وہ اس کے گلے کے اندر دھنستا جا رہا ہے ــــــ وہ خاموش کھڑی آئینے میں آنکھیں گاڑے رہی۔ جو اسی رفتار سے باہر نکل رہی تھی ــــــ تھوڑی دیر کے بعد اس کے چہرے کی تمام رگیں پھولنے لگیں ــــــ پھر ایک دم اس نے چیخ ماری اور اوندھے منہ فرش پر گر پڑی ــــــ

کٹاری

فلم کے عنوانات ختم ہوتے ہیں ——— آخری عنوان کے عقب میں "بہارستان" کا ٹریڈ مارک ہے ——— ایک پھول اور دو کلیاں ---- ہم ڈزالو کرتے ہیں۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی سے ملحقہ باغ

ٹریڈ مارک کا پھول اور کلیاں اصلی شکل اختیار کر لیتی ہیں ——— کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے ——— مالی پھول چن رہا ہے۔ کچھ عرصہ اسی طرح مشغول رہنے کے بعد وہ اپنی دائیں طرف دیکھتا ہے ——— کیمرہ اور پیچھے ہٹتا ہے۔

مالی :- (دائیں طرف دیکھتا ہے) چمیلی !

کیمرہ میں ہوتا ہے ـــــ مالی کی لڑکی جو کہ چل رہی تھی رُک جاتی ہے

مالی :- چھوٹی سرکار آنے والے ہیں ـــــ جا کپڑے بدل لے۔ چمیلی اپنے میلے کپڑوں کی طرف دیکھتی ہے۔

چمیلی :- اچھا۔

یہ کہہ کر وہ چلتی ہے ـــــ کٹ کر کے ہم مالی پر آتے ہیں۔ وہ پراسرار انداز میں چمیلی کی طرف دیکھتا ہے ـــــ زیر لب مسکراتا ہے اور پھر پھول توڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

گیراج کے باہر ٹاٹ لٹک رہا ہے ـــــ چمیلی اُسے ہٹا کر اندر داخل ہونے ہی والی ہے کہ موٹر سائیکل کے انجن کی پھٹ پھٹ سنائی دیتی ہے۔ ایک لمحے کے لئے چمیلی رکتی ہے۔ پھر اندر گیراج میں چلی جاتی ہے۔

کیمرہ ٹاٹ کے سامنے ٹکا رہتا ہے۔ موٹر سائیکل کی آواز قریب تر ہو جاتی ہے ـــــ دفعتہً کیمرہ ایک دم پیچھے ہٹتا ہے۔ عقب میں ایک موٹر سائیکل نمودار ہوتی ہے۔ جس پر چھوٹی سرکار سوار ہیں ـــــ

موٹر سائیکل گیراج کے اندر چلی جاتی ہے ـــــ چمیلی کی چیخ کی آواز

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی سے ملحقہ باغ

ہم کٹ کر کے مالی کا ردِ عمل دکھاتے ہیں۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی، گیراج ۔

ہم واپس گیراج پر آتے ہیں ——— ٹاٹ کا پردہ ہٹتا ہے ۔
چھوٹی سرکار باہر نکلتا ہے، مضطرب حالت میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے
مالی کی آواز آتی ہے ۔

مالی :۔ آگئے چھوٹی سرکار

چھوٹی سرکار :۔ (مضطرب حالت میں مالی کی طرف بڑھتا ہے) ہاں آگیا۔
میرا مطلب ہے موٹر سائیکل ——— میرا مطلب ہے چمیلی ۔

مالی :۔ چمیلی حضور؟

چھوٹی سرکار :۔ نہیں نہیں ——— بڑی سرکار کہاں ہیں؟

مالی :۔ حضور مینڈھے دیکھ رہے ہیں ۔

چھوٹی سرکار :۔ (جیسے خالی الذہن ہے) مینڈھے (گیراج کی طرف دیکھتا ہے)

مالی :۔ جی ہاں!

چھوٹی سرکار :۔ اچھی بات ہے ۔

یہ کہکر چھوٹی سرکار ایک طرف چلا جاتا ہے ۔ مالی پراسرار
طریقے پر زیر لب مسکراتا ہے ۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (اکھاڑہ)

تین چار مینڈھے کھڑے ہیں ۔ کالو پہلوان ایک مینڈھے کے مہندی

لگا رہا ہے ـــــــ بڑی سرکار ایک مینڈھے کے سینگ دیکھ رہا ہے پاس منشی کھڑا ہے۔

بڑی سرکار :۔ منشی صاحب!

منشی :۔ حضور!

بڑی سرکار :۔ اس کے جوڑ کا مینڈھا پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔

منشی :۔ جی ہاں!

کالو :۔ حضور آپ کے اس غلام نے جتنی محنت اس جنور پر کی ہے....

بڑی سرکار :۔ (بات کاٹتے ہوئے) اور جو دولت ہم نے صرف کی ہے (ایک طرف دیکھ کر) آؤ بھئی آؤ ـــــــ کب آئے؟

چھوٹی سرکار نمودار ہوتا ہے۔

منشی :۔ آداب عرض چھوٹی سرکار۔

کالو :۔ آداب عرض حضور!

بڑی سرکار :۔ (مینڈھے کے سینگوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) کب آئے؟

چھوٹی سرکار :۔ (دماغ ابھی تک مضطرب ہے) جی؟ ـــــــ چونک کر بس آ ہی رہا ہوں۔

بڑی سرکار :۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ تم پورے طور پر ابھی تک نہیں آئے (ہنستا ہے)

چھوٹی سرکار ہنسنے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

بڑی سرکار :۔ (کالو سے) پھول ذرا خوبصورت بناؤ ..... (چھوٹی سرکار سے)

ہاں بھئی تعلیم و علیم تو ختم ہوئی ...... اب کیا ارادہ ہے۔

منشی :- شکار کھیلا کریں گے۔

بڑی سرکار :- (معنی خیز لہجہ میں) شکار ؟ (مینڈھے کے سینگوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) شکار تو کالج میں بھی کھیلتا رہا ہوگا۔ (ہنستا ہے) کیوں؟

چھوٹی سرکار :- جی !

بڑی سرکار :- (چھوٹی سرکار کے کندھوں پر تھپکی دیتے ہوئے) جاؤ، جاؤ، آرام کرو۔

چھوٹی سرکار جانے لگتا ہے۔

منشی :- چھوٹی سرکار گلاب نہیں آیا ؟

چھوٹی سرکار :- نہیں ...... دو تین روز کے بعد آئے گا ...... چمیلی

بڑی سرکار :- (ایک دم) چمیلی ؟

چھوٹی سرکار :- جی نہیں ! میرا اسباب ...... میرا سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا تھا ...... اکٹھا کر کے ٹرک میں لائے گا۔

بڑی سرکار :- (کالو سے) پھول ذرا خوبصورت بناؤ

چھوٹی سرکار چلا جاتا ہے۔ سر کھجاتا ہوا۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ، بیرونی حصّہ

چھوٹی سرکار اسی طرح سر کھجاتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہوتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی، چھوٹی سرکار کا کمرہ، اندرونی حصّہ۔
چھوٹی سرکار اپنی بش شرٹ اتار کر ایک طرف پھینک دیتا ہے۔
سیٹی بجانا شروع کرتا ہے اور ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھتا ہے
کنگھی اٹھا کر بالوں میں پھیرتا ہے۔ تھوڑے وقفے کے بعد اُسے آئینہ
میں چمیلی کا عکس نظر آتا ہے ـــــ ردِعمل ـــــ مڑتا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنی خوبصورت ہو۔
چمیلی کا ہاتھ پکڑنا چاہتا ہے ـــــ چمیلی کے ہاتھ سے پھول گر جاتے ہیں۔

چمیلی :۔ (شرماکر) چھوٹی سرکار!

چھوٹی سرکار :۔ تم ڈر کیوں گئی تھیں؟
(ہاتھ پکڑ لیتا ہے)

چمیلی :۔ (ہاتھ چھڑا کر) چھوڑ دیجئے مجھے۔

ایک طرف ہٹتی ہے ـــــ چھوٹی سرکار اس کی طرف بڑھتا ہے
ـــــ چمیلی تیزی سے کمرے سے باہر نکل جاتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی، چھوٹی سرکار کا کمرہ ـــــ بیرونی حصّہ
چمیلی باہر نکلتی ہے ـــــ اسکی مڈبھیر منشی سے ہوتی ہے ـــــ
منشی کا ردِعمل ـــــ چمیلی ایک دم رک جاتی ہے ـــــ اندر
سے چھوٹی سرکار کی آواز آتی ہے ـــــ

"چمیلی! چمیلی!!"

چمیلی تیز قدمی سے چلی جاتی ہے ——— چھوٹی سرکار باہر نکلتا ہے

چھوٹی سرکار :- چمیلی! (منشی کو دیکھ کر) اوہ!

منشی :- (تھوڑے توقف کے بعد) حضور آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ....

چھوٹی سرکار :- ضرورت؟ ـ نہیں،

یہ کہہ کر وہ اندر چلا جاتا ہے؛

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ ——— اندرونی حصہ)

چھوٹی سرکار دہلیز میں کھڑا ہو کر کچھ سوچتا ہے، پھر بالوں میں کنگھی کرتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے ——— ایک دم اُسکی نگاہیں تپائی پر رکھے ہوئے ننگے بت پر پڑتی ہیں ——— ردِعمل ——— مسکراتا ہے اور بُت کو دیکھتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے ——— کنگھی کرتا ہوا آرام کرسی پر بیٹھ جاتا ہے ——— کنگھی بالوں میں اڑی رہتی ہے ——— تپائی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جس پر میگزین پڑے ہیں ——— ایک میگزین اٹھاتا ہے۔

سرورق پر نہانے کے لباس میں ایک عورت کی تصویر چھپی ہے ——— اس کو دیکھ کر مسکراتا ہے ——— رسالہ ہاتھ میں لئے اٹھتا ہے اور کھڑکی کی طرف جاتا ہے ——— باہر گیراج نظر آتا ہے جس پر ٹاٹ کا پردہ پڑا ہے ——— چمیلی اسے ہٹا کر اندر داخل ہو رہی ہے ——— چھوٹی سرکار

میگزین کے سرورق کی طرف دیکھتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیراج)

ٹاٹ کے پردے پر سرورق کی تصویر پھیل جاتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیراج)

ٹاٹ کے پردے پر سے میگزین کے سرورق کی نیم برہنہ تصویر آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہے ——— پردہ میں جنبش پیدا ہوتی ہے چمیلی باہر نکلتی ہے ——— چند قدم چلتی ہے اور رک کر ایک طرف دیکھتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (ٹینس کورٹ)

چھوٹی سرکار اور بڑی سرکار ٹینس کھیل رہے ہیں ——— چھوٹی سرکار ایڑیاں اونچی کر کے چمیلی کی طرف دیکھتا ہے۔۔۔۔ بڑی سرکار گیند پھینکتا ہے۔ چھوٹی سرکار اسے ہٹ لگاتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیراج)

گیند چمیلی کے لگتی ہے، اس کا ردِ عمل

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (ٹینس کورٹ)

بڑی سرکار :- (چھوٹی سرکار سے) شکار شروع کر دیا؟

چھوٹی سرکار :- (بوکھلا جاتا ہے) جی نہیں! ــــ وہ تو........

بڑی سرکار :- (ہنستا ہے)...... چمیلی کی طرف مڑ کر) چمیلی گیند اِدھر

(چمیلی گیند اٹھا کر لاتی ہے)

بڑی سرکار :- چمیلی! تو نے چھوٹی سرکار کی گیند اپنی طرف کیوں کھینچی؟

چمیلی :- کچھ سمجھی نہیں جی!

بڑی سرکار :- (قہقہہ لگاتا ہے اور چمیلی کے ہاتھ سے گیند لے لیتا ہے) جا بھاگ جا۔

چمیلی چلی جاتی ہے

(بڑی سرکار چھوٹی سرکار سے مخاطب ہوتے ہیں)

بڑی سرکار :- نشانے کے تم کافی پکے ہو۔

چھوٹی سرکار :- (جھینپ کر) جی نہیں........ وہ تو......

بڑی سرکار :- (قہقہہ لگاتا ہے اور گیند چھوٹی سرکار کی طرف پھینکتا ہے)

چھوٹی سرکار گیند ریکٹ پر اٹھا لیتا ہے۔ اور سر جھکا کر اُسے اچھالنا شروع کر دیتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی ــــ (باغ کا فوارہ)

ہم ڈزالو کرتے ہیں ــــ چمیلی کا کلوز اَپ ــــ کیمرہ

پیچھے ہٹتا ہے ——— چمیلی بغیر اوڑھنی کے کھڑی ہے ———
اوڑھنی چھوٹی سرکار کے ہاتھ میں ہے۔

چمیلی :- (دونوں ہاتھوں سے سینہ ڈھانپتے ہوئے) میرا دوپٹہ دیجیے چھوٹی سرکار۔

چھوٹی سرکار :- (شرارت سے) ہم نہیں دیں گے۔

چمیلی :- کوئی دیکھ لے گا ——— بدنام ہو جاؤں گی چھوٹی سرکار۔

چھوٹی سرکار :- تم خواہ مخواہ ڈرتی ہو۔

چمیلی :- اُس روز ...... اُس روز بڑی سرکار کیا کہہ رہے تھے ——— لائیے دوپٹہ۔

چھوٹی سرکار :- (آگے بڑھ کر) لو!

(چمیلی دوپٹہ لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے)

چھوٹی سرکار :- ٹھہرو! میں ٹھیک طرح سے اوڑھائے دیتا ہوں۔

(چھوٹی سرکار چمیلی کو دوپٹہ اس طرح اوڑھاتا ہے کہ اُڑے نہیں۔ اس کے بعد وہ اُسے بازو سے پکڑتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- چلو آؤ! تمہیں موٹر سائیکل کی سیر کرائیں۔

چمیلی :- نہیں! چھوٹی سرکار نہیں!!

چھوٹی سرکار اُسے بازو سے کھینچتا ہوا لے جاتا ہے۔ کچھ فاصلہ پر اُن کی مڈبھیڑ مالی سے ہوتی ہے۔ دونوں رک جاتے ہیں۔

چھوٹی سرکار :- موٹر سائیکل کی ——— چمیلی کو موٹر سائیکل کی سیر کرانے

لے جا رہا ہوں ۔

مالی :- لے جائیے حضور !

چھوٹی سرکار :- (چمیلی سے) آؤ چمیلی ۔

(چمیلی کھڑی رہتی ہے)

مالی :- جاؤ چمیلی ——— چھوٹی سرکار کی بڑی مہربانی ہے ۔

چھوٹی سرکار :- مہربانی کیسی ——— آؤ چمیلی !

چمیلی کو ساتھ لے جاتا ہے ——— مالی پُراسرار طور پہ زیرِلب مسکراتا ہے ۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیراج)

پردہ ہٹتا ہے ——— اندر سے موٹر سائیکل باہر نکلتی ہے ۔

چھوٹی سرکار اُسے چلا رہا ہے ——— پیچھے سیٹ پر چمیلی بیٹھی ہے ۔

موٹر سائیکل حویلی سے باہر نکلتی ہے ۔

× × × × ×

کھیت

ہم ڈزالو کرتے ہیں ۔

موٹر سائیکل ایک طرف پڑی ہے اور ٹائر پہ سر رکھ کر چھوٹی سرکار لیٹا ہے ۔

چمیلی ایک طرف سمٹی بیٹھی ہے .... ہاتھ سے موٹر سائیکل کے
کل پرزے کو چھیڑ رہی ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ چلو آؤ نہر میں نہائیں۔

چمیلی :۔ (ایک دم چونک کر) کیا ؟

چھوٹی سرکار :۔ کالج میں لڑکے لڑکیاں اکٹھے نہاتے ہیں۔

چمیلی :۔ (شرما کر دوپٹے سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیتی ہے۔) آپ کیسی باتیں
کرتے ہیں۔

چھوٹی سرکار :۔ (اُٹھ کر چمیلی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے) تم بتاؤ کیسی باتیں کروں۔
چہرے پر سے دوپٹہ ہٹاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ ایک مُنہ نظر آتا تھا وہ بھی چھپا لیا۔
چمیلی کا ہاتھ غیر ارادی طور پر ہارن کے بٹن پر پڑتا ہے، جو بج اُٹھتا ہے
چمیلی اُونی کر کے اچک کر کھڑی ہو جاتی ہے ... چھوٹی سرکار ہنسنا شروع
کر دیتا ہے۔

چمیلی :۔ (دل پر ہاتھ رکھتی ہے)
چھوٹی سرکار اُٹھ کر چمیلی کے پاس جاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ کیا ہوا دل کو ؟

چمیلی :۔ دھک دھک کر رہا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ سنوں !
یہ کہہ کر وہ اس کی کمر میں اپنا بازو حمائل کر دیتا ہے۔ اور کان سینے پر

جمانے ہی والا ہے کہ چمیلی تڑپ کر ایک طرف ہٹ جاتی ہے ـــــ
چہرے پر ایک عجیب قسم کا خوف و ہراس پیدا ہو جاتا ہے ـــــ
چھوٹی سرکار آگے بڑھتا ہے اور چمیلی کو پکڑنا چاہتا ہے ۔

چمیلی :- (کانپتی آواز میں) نہیں نہیں ـــــ مجھے ہاتھ مت لگایئے
چھوٹی سرکار ....

چھوٹی سرکار :- (چمیلی کی طرف بڑھتے ہوئے) چمیلی !

چمیلی :- نہیں ـــــ نہیں ـــــ نہیں
تیزی سے بھاگ جاتی ہے ـــــ چھوٹی سرکار وہیں کھڑا رہ جاتا ہے

چھوٹی سرکار :- عجیب لڑکی ہے .... (مسکراتا ہے)

مسکراتا ہوا چھوٹی سرکار اپنی موٹر سائیکل کی طرف آتا ہے ۔ اُسے اُٹھاتا ہے ـــــ ہارن بجاکر مسکراتا ہے ـــــ ایک دم فائرنگ کی آواز آتی ہے ـــــ چھوٹی سرکار کے ہاتھ سے موٹر سائیکل گر جاتی ہے ۔ رائفل ہاتھ میں لئے ہوئے بڑی سرکار کالو پہلوان کے ساتھ نمودار ہوتا ہے ۔

بڑی سرکار :- کیوں بھئی ! کیا ہو رہا ہے یہاں ؟

چھوٹی سرکار :- جی ـــــ کچھ نہیں ـــــ ایسے ہی چلا آیا تھا ۔

بڑی سرکار :- شکار کھیلنے کے لئے ؟

چھوٹی سرکار :- جی نہیں ـــــ ایسے ہی گھومنے کے لئے ۔

بڑی سرکار :- (مسکراکر) گھومو .... (کالو سے) چلو کالو ....

کالو اور بڑی سرکار چلے جاتے ہیں ـــــ چھوٹی سرکار اپنی موٹر سائیکل اُٹھاتا ہے۔

× × × × ×

فیڈ آوٹ

× × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ۔

ہم فیڈ اِن کرتے ہیں۔

ایک لڑکی کی ٹانگیں نظر آتی ہیں۔ جو "کبڈی، کبڈی" بولتی جا رہی ہے ـــــ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ اور دکھاتا ہے کہ جیسی لڑکیاں کبڈی کھیل رہی ہیں ـــــ یہ لڑکی جب مخالف گروپ میں پہنچتی ہے تو پکڑی جاتی ہے۔ اور "مار کر" ایک طرف بٹھا دی جاتی ہے ـــــ دفعتہً "کنّاری کنّاری" کی آواز آتی ہے ـــــ ہماری ہیروئن تھرکتی، ناچتی "کنّاری کنّاری" کی گردان کرتی مخالف گروپ میں تیر کی طرح داخل ہوتی ہے ـــــ یہاں سے موسیقی شروع ہوتی ہے۔ او کنّاری کھیل میں رقص کرتی گاتی، تھرکتی مخالف گروپ کی لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے ـــــ آخر میں مخالف گروپ کی ایک پست قد لڑکی وو تتلی، جرأت سے کام لے کر کنّاری سے لپٹ جاتی ہے ـــــ کنّاری اُسے گھسیٹتی ہوئی لکیر تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر وہ کچھ اس طرح کنّاری سے چمٹی ہوئی ہے کہ دونوں لکیر کے پاس گر پڑتی ہیں۔

تتلی اُٹھ کر چلانا شروع کر دیتی ہے۔

تتلی :- کٹاری مر گئی ـــــ کٹاری مر گئی

کٹاری :- (جو ابھی تک کٹاری کٹاری کہے جا رہی ہے) کیا؟

مخالف گروپ کی لڑکیاں :- (بیک زبان) کٹاری مر گئی۔ کٹاری مر گئی۔

کٹاری غضبناک ہو کر اُٹھتی ہے اور تتلی کی چوٹیا پکڑ لیتی ہے۔

کٹاری :- کیا کہتی ہے تتلی کی بچی ـــــ کٹاری مر گئی

تتلی :- ہاں تو مر گئی ہے۔

کٹاری :- بکتی ہے تو۔

تتلی :- تیرا سانس ٹوٹ گیا تھا۔

کٹاری :- میرا سانس تو مرتے وقت بھی نہ ٹوٹے گا ـــــ لفنگی کہیں کی۔

تتلی :- تو لفنگی۔

کٹاری :- (تتلی کے چانٹا لگاتی ہے)

تتلی وحشی بلی کی طرح کٹاری پر حملہ کرتی ہے۔ کٹاری اس کا جواب دیتی ہے۔ اب باقاعدہ لڑائی شروع ہو جاتی ہے ـــــ کٹاری اُسے دبا لیتی ہے۔

کٹاری :- بتا اب کیا میرا سانس ٹوٹا تھا۔

تتلی :- (ڈر کر) نہیں نہیں۔

کٹاری اُسے چھوڑ دیتی ہے ـــــ تتلی اُٹھتی ہے۔

تتلی :- تمہارا سانس ایک بار نہیں سو بار ٹوٹا تھا۔

منہ میں سے جیبھ نکال کر کٹاری کو دکھاتی ہے، اور بھاگ جاتی ہے۔

کٹاری اس کا تعاقب کرتی ہے۔

تعاقب کے مختلف سوٹ۔

× × × × ×

سڑک

سڑک کے عین بیچ کٹاری تتلی کو دبوچ لیتی ہے۔ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو جاتی ہیں ـــــ ایک دم بریک لگنے کی چیخ سنائی دیتی ہے ـــــ ایک لاری ان کے بالکل پاس پہنچ کر رکتی ہے ـــــ گلاب ڈرائیو کر رہا ہے ـــــ

گلاب :- (لڑکیوں سے) اے، اے ...... ش ش ...... اے

اس کی کوئی نہیں سنتا ـــــ لاری سے باہر نکلتا ہے۔

گلاب :- اے، اے ...... یہ کیا ہو رہا ہے۔

کٹاری :- (دھینگا مشتی بند کر کے گلاب کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے)

اندھے ہو؟ دیکھتے نہیں لڑائی ہو رہی ہے۔

یہ کہہ کر کٹاری پھر لڑائی میں مشغول ہو جاتی ہے ـــــ گلاب مسکراتا ہے اور ان کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے ـــــ مگر اس کوشش میں اس کے بھی تین چار چانٹے، دس پندرہ لاتیں اور چھ سات مکے حصے میں آجاتے ہیں۔ بالآخر وہ ان دونوں کو چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے ـــ اس دوران میں دوسری لڑکیاں آجاتی ہیں

گلاب :- میری سمجھ میں نہیں آتا، تم لڑکیوں رہی ہو؟

کٹاری :- اس نے کہا تھا کہ میرا سانس ٹوٹ گیا تھا۔

گلاب :- سانس؟

کٹاری :- (گلاب سے) تم بتاؤ کیا میرا سانس ٹوٹ سکتا ہے۔

گلاب :- (کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کیا جواب دے۔)

کٹاری :- جلدی بتاؤ! کیا میرا سانس ٹوٹ سکتا ہے؟

تتلی :- اس پر تمہارا رعب نہیں چلے گا کٹاری ـــــــ تم سے بہت زیادہ طاقت ور ہے۔

کٹاری :- مجھ سے زیادہ کوئی بھی طاقت ور نہیں ہو سکتا۔

تتلی :- مرد ہے۔

کٹاری :- میں مردوں کو کیا سمجھتی ہوں۔

تتلی :- گردن مروڑ دے گا۔

کٹاری :- اُونہہ ـــــــ میری کلائی ہی مروڑ کر دکھائے ـــــــ
(کلائی گلاب کی طرف بڑھاتی ہے)
لو پکڑو۔

گلاب :- (مناسب و موزوں ردِ عمل)

کٹاری :- پکڑو!

سب لڑکیاں :- (گلاب سے) پکڑو۔

گلاب :- (بوکھلانا شروع ہوتا ہے)

کٹاری :- پکڑتے کیوں نہیں ـــــ پکڑو ـــــ اور دیکھو ، ان
دو انگلیوں سے کیسے تمہارا ہاتھ جھٹک کر اپنی کلائی چھڑاتی ہوں۔
ـــــ پکڑو

گلاب :- موچ آجائے گی !

کٹاری :- اُئے واہ میرے رستم پہلوان۔

تتلی :- کچھ شرط لگاؤ تو پکڑے بھی۔

کٹاری :- (گلاب سے) لگاؤ شرط۔

تتلی :- کتنے کی ؟

کٹاری :- رہی ایک ایک روپیہ کی۔

تتلی :- ایک روپیہ تو یہ بخشش دیگا تمہیں ـــــ سو سو روپے کی
مانو تو کوئی بات بھی ہو۔ (گلاب سے) کیوں بابو ؟

سب لڑکیاں :- رہی ، رہی
گلاب مسکراتا ہے۔

کٹاری :- رہی سو سو روپے کی . . . . . . (کلائی بڑھا کر) لو پکڑو۔

گلاب :- جانے دو۔

کٹاری :- پکڑ بابو ـــــ جلد فیصلہ ہو۔

گلاب :- (مسکرا کر کلائی ہاتھ میں لیتا ہے) کیسی خوبصورت کلائی ہے !

کٹاری :- وہ تو ہے ـــ تم یہ دیکھنا چھڑاتی ہوں کس خوبصورتی سے۔

گلاب :- جو خوبصورت ہے، اس کی ہر چیز خوبصورت ہوگی۔

کٹاری :- تو دیکھ لو نا۔

گلاب :- (مذاقاً کلائی دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیتا ہے)

کٹاری :- (تتلی سے) تتلی! بس اتنا ہی زور ہے تمہارے رستم میں۔

تتلی :- (گلاب سے) ذرا ایک پیچ دو۔

گلاب گرفت ذرا مضبوط کر دیتا ہے۔

کٹاری :- بس چھڑاؤں؟

گلاب ایک دم گرفت مضبوط کر لیتا ہے۔

کٹاری :- اُوئی!

گلاب گرفت ڈھیلی کر دیتا ہے ــــــ کٹاری فائدہ اُٹھاتی ہے اور کھٹ سے ہاتھ مار کر اپنی کلائی چھڑا لیتی ہے ــــــ لڑکیاں شور مچا دیتی ہیں۔

کٹاری :- وہ مارا۔

گلاب :- (مسکرا کر) کیا مارا؟

کٹاری :- چھڑا لی کلائی!

گلاب :- کب چھڑائی۔ کیسے چھڑائی

تتلی :- بابو چھڑا تو لی۔

باقی لڑکیاں چلاتی ہیں۔ "چھڑا لی، چھڑا لی"

گلاب :- کیا؟

کٹاری :- (چٹکی بجا کر) ڈھیلے کر ستو ڑوپے۔

گلاب :- (مسکراکر) ڈھیلے کیا کسے کسلائے لو۔ ٹھن ٹھن کرتے ---- جاؤ منہ دھوکر آؤ۔

تتلی :- بابو تم رو دیئے۔

گلاب :- کیا؟

تتلی :- شرط ہاری ہے۔ دو روپے

کٹاری :- اس طرح نہیں دے گا ـــ (لڑکیوں سے) ایک ـــ دو پکڑ لو۔

سب لڑکیاں گلاب کو پکڑ لیتی ہیں، کٹاری اچک کر گلاب کی جیب سے سارے نوٹ نکال لیتی ہے۔

کٹاری :- اوہ یہ تو کافی سارے ہیں۔

گلاب :- (بھنّاکر) اچکیو، شہدیو، چھوڑ دو مجھے۔

کٹاری :- چھوڑ دو (سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اپنے گھگھرے میں اڑس لیتی ہے، دیکھ لو ایک کوڑی زیادہ نہیں لی ـــــ لو تتلی آگے بڑھکر ایک روپے کا نوٹ چھین لیتی ہے۔)

تتلی :- ایک روپیہ میں لوں گی۔

کٹاری :- واپس کرو تتلی۔

تتلی :- واہ ـــ میں نے اتنی مار کھائی ہے۔

کٹاری :- اچھا رکھو اپنے پاس ـــ (بقایا نوٹ گلاب کو دیتی ہے) لو، (ایک دم لڑکیوں سے)

ایک ــ دو ــ بھاگو ۔ اسب بھاگ جاتی ہیں گلاب نوٹ پکڑ کر بھونچکا رہ جاتا ہے ۔)

گلاب :۔ لٹیرن کہیں کی ۔

کٹاری کے تعاقب میں بھاگتا ہے ۔

تعاقب کے مختلف شوٹ

× × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ ۔ (ڈمرو کا خیمہ ــ بیرونی حصّہ)

(کٹاری تیزی سے اندر خیمہ میں داخل ہوتی ہے)

خانہ بدوشوں کا ڈیرا (ڈمرو کا خیمہ ــ اندرونی حصّہ)

ڈمرو چٹائی پر لیٹا ہے ــ چھت کا پنکھا ہل رہا ہے ــ ــ کٹاری ڈمرو کو جگاتی ہے ۔

کٹاری :۔ ڈمرو، ڈمرو!

ڈمرو :۔ جا، جا۔ سونے دے مجھے ۔

باہر سے گلاب کی آواز آتی ہے

گلاب :۔ کٹاری!

کٹاری نوٹ نکال کر ڈمرو کے ہاتھ میں دیتی ہے ۔

کٹاری :۔ لے سنبھال اسے ۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے ایک طرف چلی جاتی ہے

ڈمرو :۔ کیا ہے ؟

گلاب، کی آواز آتی ہے -

گلاب :- کٹاری !

ڈمرو مٹھی کھول کر سو کا نوٹ دیکھتا ہے ـــــ ردِ عمل ـــ اور زیادہ آنکھیں کھولتا ہے ـــــ ساتھ ہی باچھیں کھل جاتیں ہیں ـــــ

نوٹ کو چومتا ہے -

گلاب :- کٹاری !

× × × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ ـــــ بیرونی حصّہ)

گلاب باہر کھڑا ادھر اُدھر دیکھ رہا ہے ـــــ ایک کھونٹے کے سامنے مینڈھا بندھا ہے۔ دوسرے کے ساتھ رِیچھ ـــــ ایک کتا ہے جو منہ میں رسی لئے کبھی ادھر کھینچتا ہے کبھی اُدھر۔ یہ رسی خیمے میں چلی گئی ہے ـــــ گلاب خیمہ کے اندر داخل ہوتا ہے -

× × × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ ـــــ اندرونی حصّہ)

ڈمرو نوٹ کو کھڑکھڑا رہا ہے -

گلاب :- کٹاری !

ڈمرو :- آؤ - آؤ -

گلاب :- (نوٹ دیکھ کر) یہ نوٹ ـــــ یہ نوٹ میرا ہے -

ڈمرو :۔ تمہارا ہے ؟ ــــــ تو میرے پاس کیسے چلا آیا ؟

گلاب :۔ (پاس جاکر) وہ لڑکی جو ابھی اندر داخل ہوئی تھی، اس نے تھیر دیا ہے۔

ڈمرو :۔ اس نے کہاں سے لیا یہ نوٹ ؟

گلاب :۔ مجھ سے چھین کر لے آئی ہے۔

ڈمرو :۔ النیا ؟

گلاب :۔ لاؤ نوٹ دو مجھے !

ڈمرو :۔ ارے بھائی ! اتنی جلدی کیا کرتے ہو ــــــ آؤ بیٹھو، چائے پانی پیئو ــــــ

(آواز دیتا ہے) بیگم ! سگریٹ تو لانا۔

گلاب :۔ تم نوٹ لاؤ !

ڈمرو :۔ ٹھہرو، مجھے چشمہ لگا کر دیکھنے دو۔

ڈبیہ سے چشمہ نکالتا ہے ــــــ دھوتی کے پلّو سے صاف کرتا ہے۔ مگر اس کے شیشے ہی نہیں ــ گلاب دلچسپی لیتا ہے۔

گلاب :۔ کیسا ہے یہ چشمہ ؟

ڈمرو :۔ اوّل نمبر۔

ایک بندریا آتی ہے اور سلگا ہوا سگریٹ ڈمرو کو دیتی ہے۔

ڈمرو :۔ لو یہ سگریٹ پیو۔

گلاب :۔ میں نہیں پیتا۔ تم نوٹ حوالے کرو میرا۔

ڈمرو :۔ مجھے دیکھنے دو ۔ (چشمہ لگاتا ہے) ارے ــــ یہ تو کھوٹا
ہے ۔

گلاب :۔ کھوٹا کھرا جیسا ہے ۔ ٹھیک ہے ــــ لاؤ!

ڈمرو :۔ لو، بھئی پتہ چل جاتا ہے ــــ میں چھو کرتا ہوں ــــ
کھوٹا ہوگا تو یوں اُڑ جائے گا ۔ (مٹھی بند کر کے چھو کرتا ہے ۔
پھر مٹھی کھولتا ہے ــــ نوٹ غائب ہے)
کیوں دوست اب بھی نہیں مانو گے ۔!

گلاب :۔ تم سب چور ہو ۔ اُٹھائی گیرے ــــ ڈاکو ــــ کہاں ہے
وہ لڑکی ؟

ڈمرو :۔ ریڈیو گھر گئی ہے ۔

گلاب :۔ (غصّے میں، کہاں ہے وہ تمہارے باپ کا ریڈیو گھر ۔ ؟

ڈمرو :۔ گالی مت دو یار ۔

گلاب :۔ گالی کے بچے نوٹ لا ادھر ۔
پنکھا بند ہو جاتا ہے ۔

ڈمرو :۔ (پنکھے کی طرف دیکھ کر) چچ چچ ــــ بجلی فیل ہو گئی ۔

x x x x x x

خانہ بدوشوں کا ڈیرا (ڈمرو کا خیمہ ــــ بیرونی حصّہ)
ہم کٹ کر دکھاتے ہیں، کہ رسی ایک طرف پڑی ہے اور اُسے
کھینچنے والا کتا بیٹھا ہڈی چبا رہا ہے ۔

* * * * * *

(خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ ۔ اندرونی حصہ)

ڈمرو :- بجلی گھر کا منیجر بڑا حرامی ہے ______ نکال دوں گا سالے کو باہر۔ آؤ تمہیں ریڈیو سناؤں ۔

گلاب :- میں کہتا ہوں میرا نوٹ حوالے کرو میرے ۔

ڈمرو :- وہ تو ہو گیا ہے غائب اور غائب ہونے کا جو دکھ مجھے اور تمہیں ہوا ہے وہ ریڈیو سننے سے ہی دور ہو سکتا ہے ۔

ایک طرف لکڑی کا ریڈیو نما ایک بکس پڑا ہے ۔ ڈمرو اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے ۔

گلاب :- تمہارے ریڈیو کی ایسی تیسی ۔

ڈمرو :- ایسا نہ کہو، ناراض ہو جائے گا بٹن گھماتا ہے ۔ زور کی کھڑکھڑ ہوتی ہے ۔ دیکھا ؟

گلاب دیکھتا ہے کہ پنجرے میں یہ آواز طوطا پیدا کر رہا ہے ۔

گلاب :- یہاں کے جانور بھی چار سو بیس ہیں ۔

(ڈمرو بٹن گھماتا ہے ۔)

طوطا :- ہم ساتویں آسمان سے بول رہے ہیں ۔

ڈمرو :- بالکل ٹھیک ہے ۔ ______ لو بھئی سنو گانا ۔

باجو پر موسیقی کی گت شروع ہوتی ہے ______ گلاب طوطے کی طرف دیکھتا ہے ۔ جو خاموش ہے ______ گانا شروع ہوتا ہے

گلاب اِدھر اُدھر دیکھتا ہے ـــــ ڈمرو اشارے سے گلاب کو بیٹھنے کے لیے کہتا ہے، مگر وہ نہیں بیٹھتا ـــــ تھوڑی دیر کے بعد ڈمرو لکڑی کے ریڈیو نما بکس کے کالے توے کو ایک طرف ہٹاتا ہے ـــــ گول دائرے کے پیچھے کٹاری کا چہرہ نظر آتا ہے۔

گلاب کا ردِ عمل ـــــ وہ آگے بڑھتا ہے کہ لکڑی کے بکس کے پیچھے کٹاری کھڑی ہو جاتی ہے ـــــ گلاب ذرا اور آگے بڑھتا ہے، تو وہ ایک ادا سے گاتی ہوئی گلاب کی بغل میں آ کھڑی ہوتی ہے۔ گلاب اس کو پکڑنا چاہتا ہے۔ مگر وہ ناچتی ہوئی باہر نکل جاتی ہے

× × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ ـــــ بیرونی حصّہ)

گلاب باہر نکلتا ہے ـــــ مرد، عورتیں، لڑکیاں سب جمع ہو جاتی ہیں ـــــ کٹاری گا اور ناچ رہی ہے ـــــ ایک لمحے کے لیے گلاب سب کچھ بھول جاتا ہے ـــــ کٹاری کی ادائیں اُسے مسحور کر دیتی ہیں۔ لیکن تھوڑے وقفے بعد اُسے اپنا نوٹ یاد آتا ہے ـــ ایک دم وہ چلاتا ہے۔

گلاب :۔ بند کرو یہ بکواس ـــــ میرا نوٹ واپس دو۔

گانا بند ہو جاتا ہے کٹاری پاؤں کے گھنگھرو کھنکھناتی گلاب کے پاس جاتی ہے۔

کٹاری :۔ نام کیا ہے تمہارا بابو؟

گلاب :- (چلّاکر) میرا نام ہے، سّو روپے کا نوٹ!

سب زور سے ہنستے ہیں۔

گلاب :- بند کرو ہنسی۔

کنّاری :- (ایک ادا کے ساتھ) سّو روپے کے نوٹ جی! —— میرا نام ہے دو نّی۔

سب زور سے ہنستے ہیں۔

گلاب :- (اور زیادہ چلّاکر) میں پاگل ہو جاؤں گا —— میں تم سب کو قتل کر دوں گا!

ڈمرو کی آواز آتی ہے۔

ڈمرو :- کون ہے یہ ہٹلر؟

ڈمرو اپنے بازو کے ڈنڑ دکھاتا ہوا قریب قریب گلاب کے اوپر چڑھ جاتا ہے۔

گلاب :- تم میرا سّو روپے کیوں واپس نہیں دیتے؟

ڈمرو :- دیتے ہیں —— اِدھر آؤ (ایک طرف چلتے ہوئے) آؤ!

گلاب اس کی طرف بڑھتا ہے —— دونوں کچھ دور چلتے ہیں۔

ڈمرو :- (ایک طرف اشارہ کرکے) کھڑے ہو جاؤ یہاں۔

گلاب وہاں کھڑا ہو جاتا ہے۔

ڈمرو :- سّو کا نوٹ چاہیئے، ہزار کا؟

گلاب :- اپنا سّو کا۔

ڈمرو :- اپنا سو کا نوٹ ایک ـــــ اپنا سو کا نوٹ دو -

ایک دم کچھ ہوتا ہے ۔ اور گلاب کیمرے پر سے اُڑتا ہوا چلا جاتا ہے -

کٹ کر کے ہم دکھاتے ہیں ، کہ مینڈھے کی گردن ہل رہی ہے - اور گلاب بہت دُور کیچڑ میں لت پت زمین پر اوندھے مُنہ پڑا ہے ـــــ دانت پیستا ہوا اُٹھتا ہے ۔ چاہتا ہے کہ ڈمرو کی طرف جائے ، مگر رُک جاتا ہے ۔ کیونکہ ڈمرو کے ساتھ اور کئی ہٹے کٹے مرد آستین چڑھائے کھڑے ہیں -

گلاب :- آج نہیں ۔ پھر کبھی سہی ـــــ ایسا مزا چکھاؤں گا کہ یاد رکھو گے لٹیرے ۔ بدمعاش -

سب خانہ بدوش زور سے ہنستے ہیں ـــــ گلاب ٹرک میں بیٹھتا ہے ۔ اور اُسے اسٹارٹ کرتا ہے ـــــ اس پر ہنسنے کا شور آتا رہتا ہے -

× × × × ×

فیڈ آؤٹ

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (بڑا کمرہ ـــــ اندرونی حصّہ)

تخت پر گاؤ تکیہ کا سہارا لئے بڑی سرکار بیٹھا ہے ۔ اور ایک دونالی بندوق کا معائنہ کر رہا ہے ـــــ ایک طرف منشی حساب کتاب

کر رہا ہے — دوسری طرف ایک دیہاتی کھڑا ہے۔ بڑی سرکار
اس سے مخاطب ہوتا ہے —

بڑی سرکار :- اچھی ہے ؟

دیہاتی :- نایاب چیز ہے۔

بڑی سرکار :- ہمارے لئے کوئی چیز نایاب نہیں — منشی جی !

منشی :- حُضور !

بڑی سرکار :- سو کا ایک نوٹ دیجئے اِسے۔

دیہاتی :- سرکار — یہ تو بہت کم ہیں — ایسی نایاب چیز
اور ....

بڑی سرکار :- نایاب چیز ہے تو نذرانے کے طور پر پیش کر د .... کیوں
منشی جی !

منشی :- بالکل درست ہے۔

دیہاتی :- لیکن حضور .....

منشی :- (سو کا نوٹ دے کر) لو .....

دیہاتی :- میں اسے لایا ہی کیوں !

بڑی سرکار :- کیا کہا ؟

منشی :- کچھ نہیں حضور شکریہ ادا کر رہا ہے۔

دیہاتی :- (طنز کے ساتھ) بہت بہت شکریہ حضُور !

یہ کہکر چلا جاتا ہے — بڑی سرکار قہقہہ لگاتا ہے۔ اور

بندوق کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔

(گلاب داخل ہوتا ہے)

گلاب :- آداب عرض بڑی سرکار!

بڑی سرکار :- آگئے؟

گلاب :- جی ہاں!

بڑی سرکار :- میرا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی سرکار کا سامان آگیا؟

گلاب :- جی ہاں! ایک ایک چیز لے آیا ہوں۔

یہ کہہ کر گلاب اپنے باپ کو روپے دیتا ہے ــــــ منشی روپے گنتا ہے۔

گلاب :- (آہستہ سے) ابھی نہیں گنو۔

منشی :- کیوں؟

گلاب :- آہستہ بولو ـ کم ہیں۔

منشی :- (آہستہ سے) کتنے؟

گلاب :- (آہستہ سے) ایک سو۔

منشی :- (اونچی آواز میں) ایک سو؟

بڑی سرکار :- کیا بات ہے منشی جی؟

منشی :- حضور . . . . . .

گلاب :- (چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے)

بڑی سرکار :- منشی جی! میں نے پوچھا تھا کیا بات ہے؟

منشی :- حضور .... حساب میں ایک سو روپے کم ہیں۔

بڑی سرکار :- ابھی ابھی آپ نے بندوق کی قیمت جو ادا کی ہے!

منشی :- ہاں حضور! وہ تو ہے .... لیکن ....

گلاب :- (چپ رہنے کا اشارہ کرتا ہے)

بڑی سرکار :- گلاب! تم اپنے باپ کو بار بار چپ رہنے کے لئے اشارہ کیوں کر رہے ہو؟

گلاب :- حضور! بات یہ ہے ......

منشی :- میں عرض کرتا ہوں سرکار ...... گلاب کے پاس چھوٹی سرکار کا جو حساب ہے اس میں سو روپے کم ہیں۔

بڑی سرکار :- سو روپے!

(تخت پر سے بندوق لئے اٹھتا ہے)

گلاب :- جی ہاں!

بڑی سرکار :- کیسے کم ہوئے؟

گلاب :- حضور! میں ادھر آ رہا تھا ــــ راستے میں سڑک پر مجھے ایک لڑکی ملی۔

بڑی سرکار :- لڑکی؟

منشی :- (اونچی آواز میں) لڑکی!

گلاب :- لڑکی نہیں ــــ خانہ بدوش ــــ یعنی خانہ بدوش لڑکی۔

بڑی سرکار :- خانہ بدوش لڑکی!

گلاب :- (اُٹھ کر) جی ہاں! — وہاں بہت سی ہیں حضور -

بڑی سرکار :- ایک سو؟

گلاب :- میں نے گنی نہیں حضور!

بڑی سرکار :- سو روپے کیسے گم ہوئے؟

گلاب :- زبردستی چھین کر لے گئی حضور -

بڑی سرکار :- جھوٹ مت بولو گلاب!

گلاب :- میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں -

بڑی سرکار :- یعنی ایک لڑکی چھین کر لے گئی تم سے؟

گلاب :- جی ہاں! — وہ خانہ بدوش لڑکی — کٹاری اس کا نام ہے -

بڑی سرکار :- دل میں تو نہیں کُھب گئی تمہارے؟

گلاب خاموش ہو جاتا ہے -

بڑی سرکار :- (قہقہہ لگاتا ہے، پھر آواز دیتا ہے) کالو!

(دُور سے کالو کی آواز آتی ہے؛ حاضر ہوا سرکار!

بڑی سرکار :- کہاں ہے اِن خانہ بدوشوں کا ڈیرا؟

گلاب :- دو ایک کوس پر ہے -

کالو آتا ہے -

بڑی سرکار :- کالو —— یہاں سے دو ایک کوس دُور ڈیرا ہے -

خانہ بدوشوں کا ——

کالو :- جانتا ہوں سرکار!

بڑی سرکار :- ایک لڑکی ہے کنٹاری ـــــــ اس کو حاضر کرو شام سے پہلے پہلے ۔

کالو :- ابھی جاتا ہوں سرکار ۔

بڑی سرکار :- ابھی نہیں ـــــ پہلے مینڈھوں کو دانہ پانی دو ۔

کالو :- چلا سرکار ۔

بڑی سرکار :- اور شام سے پہلے پہلے کنٹاری یہاں موجود ہو ۔

کالو :- ضرور ہوگی سرکار ۔

کالو چلا جاتا ہے ۔

بڑی سرکار :- منشی جی !- اگر گلاب کا بیان درست ہے تو ہم اس چھوکری کی کھال اُدھیڑ دیں گے ۔

گلاب :- (ردِ عمل)

بڑی سرکار :- گولی سے اُڑا دیں گے ۔

گلاب :- (ردِ عمل)

بڑی سرکار :- (بندوق سے کھیلتے ہوئے) اس بندوق کے نشانے کا بھی پتہ چل جائے گا ۔

گلاب :- میرا خیال ہے . . . . . .

بڑی سرکار :- کیا خیال ہے تمہارا ؟

گلاب :- میں ہی جاتا ہوں سرکار . . . . آپ کا نام لوں گا ، تو وہ ڈر کر ضرور واپس کر دے گی میرا نوٹ ـــــ میں ابھی جاتا ہوں ۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل جاتا ہے ۔ بڑی سرکار قہقہہ لگاتا ہے

بڑی سرکار :۔ منشی جی! ——— مالک کے روپے سے چھوکریوں سے عشق
لڑانا ——— یہ ہم ہرگز پسند نہیں کرتے ۔

منشی :۔ حضور مجھے یقین تو نہیں کہ گلاب نے ایسا کیا ہے ..... لیکن
حضور اگر اس نے یہ حرکت کی ہے ..... تو آپ مالک ہیں ———
میرے سامنے گردن اڑا دیجئے ۔

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی ۔ منشی کا کوارٹر (اندرونی حصّہ)

گلاب ٹرنک اٹھانے میں مصروف ہے ——— ایک ٹرنک
اٹھاتا ہے ——— اس کے بعد دوسرا، پھر تیسرا ——— سب سے
نیچے صندوق ہے ——— پلنگ کے ایک پائے کو اونچا کرتا ہے،
اس کے نیچے سے چابی نکالتا ہے ۔ صندوق کا تالا کھولتا ہے ۔ اس کے
اندر سے ایک بکس نکالتا ہے ۔ بکس کی چابی پلنگ کے دوسرے پائے
تلے سے نکالتا ہے ——— بکس کھولتا ہے ——— بکس میں سے ایک
بٹوہ نکلتا ہے ——— بٹوہ میں سے ایک اور بٹوہ نکلتا ہے ———
اُسے کھولتا ہے، تو کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک چیز نکلتی ہے ——— اُسے
کھولتا ہے ——— دو نوٹ دکھائی دیتے ہیں سو سو کے ——— ایک
نوٹ نکال کر جیب میں رکھتا ہے ۔ اور جلدی جلدی سب چیزیں باری باری
بند کرتا ہے ——— ٹرنک رکھ رہا ہے کہ اس کا باپ اندر داخل ہوتا ہے

منشی :- کیا کر رہے ہو گلاب ؟

گلاب :- ایک نوٹ نکلا ہے سو روپے کا!

منشی :- کیوں ؟

گلاب :- واپس دوں گا بڑی سرکار کو ۔ کہوں گا لے آیا ہوں کٹاری سے

منشی :- (سنجیدگی کے ساتھ) یہ کٹاری کون ہے گلاب ؟

گلاب :- میں نہیں جانتا کون ہے ـــــ خانہ بدوش لڑکی ہے ـــ میں نہیں چاہتا کہ بڑی سرکار اس کو سزا دیں ۔

منشی :- گلاب بیٹھ یہاں ۔

گلاب چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے ۔

منشی :- (بڑی سنجیدگی سے) سُن .... تو ایک غریب آدمی کا لڑکا ہے ـــ عیاشیاں صرف امیروں کے لئے ہیں ـــ تو کہیں بہک تو نہیں گیا ؟

گلاب :- میں سمجھا نہیں !

منشی :- تو مجھے صرف اتنا کہہ دے کہ تیرا من میلا نہیں بس ۔

گلاب :- میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میرا من چھوٹی سرکار کا من نہیں....

منشی :- بس ! بس !! لے جا روپے ۔

گلاب اٹھتا ہے ۔

منشی :- ٹھہر (مسکراتا ہے) اتنی جلدی جا رہا ہے ـــــ بڑی سرکار یہ نہ پوچھیں گے کہ دو کوس کا آنا جانا تو نے اتنی جلدی کیسے کیا ۔

گلاب :- (مسکراتا ہے) یہ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔

منشی :- بیٹھ جا تھوڑی دیر یہاں۔

دونوں چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ منشی گلاب کے کندے پر ہاتھ رکھتا ہے — بڑے پیار سے۔

منشی :- بس میری یہ دعا ہے کہ تو سدا نیک رہے۔

گلاب مسکراتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی — (بڑا کمرہ)

ہم ڈزالو کرتے ہیں —— بڑی سرکار ہاتھ پر باز رکھے اس سے کھیل رہا ہے۔ گلاب داخل ہوتا ہے — بڑی سرکار اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

بڑی سرکار :- (ذو معنی لہجے میں) کٹاری سے مل آئے؟

گلاب :- جی ہاں!

بڑی سرکار :- اور زیادہ گھائل تو نہیں ہوئے؟

گلاب :- جی!

بڑی سرکار :- (قہقہہ لگا کر) روپے لئے واپس؟

گلاب :- جی ہاں!

یہ کہہ کر وہ سو روپے کا نوٹ جیب سے نکالتا ہے۔

گلاب :- دیتی نہیں تھی۔ پر جب میں نے کہا کہ بڑی سرکار مارے کوڑوں

کے کھال ادھیڑ دیں گے، تو جھٹ سے نوٹ میرے حوالے کر دیا۔

کٹاری کی آواز آتی ہے۔

کٹاری :۔ جھوٹ!

بڑی سرکار اور گلاب کا ردِ عمل ـــــ گلاب بالکل بوکھلا جاتا ہے

کٹاری تھرکتی، ناچتی گلاب کے پاس آتی ہے۔

کالو :۔ حضور! کٹاری حاضر ہے۔

بڑی سرکار :۔ (کٹاری کی طرف غور سے دیکھتا ہے) کافی تیز ہے۔ (گلاب سے)

گلاب روپے کیسے واپس کئے اس نے؟

کٹاری :۔ کس نے واپس کئے۔؟ (گلاب سے) جھوٹے!

بڑی سرکار :۔ بات کیا ہے گلاب؟

گلاب :۔ (سر جھکا کر) حضور! آپ نے کہا تھا کہ آپ کھال ادھیڑ دیں گے اس کی ......

کٹاری :۔ میری کھال ادھیڑ دیں گے؟

گلاب :۔ یہ نوٹ میرا اپنا ہے۔

بڑی سرکار :۔ تو اس کا یہ مطلب ہے کٹاری چل گئی ہے، تمہارے دل پر (ہنستا ہے)

گلاب :۔ (خاموش رہتا ہے)

کٹاری :۔ (بڑی سرکار سے) جناب آپ مجھ سے بات کیجئے ـــــ (کالو کی طرف اشارہ کر کے) اس کالے آدمی کو بھیج کر کیوں مجھے بلایا گیا ہے یہاں؟

کالو :- حضور اس کی زبان بند کیجئے۔

کٹاری :- (اپنی جیبھ نکال کر کالو کو دکھاتی ہے)

بڑی سرکار :- گلاب! چھوٹی سرکار کو بلاؤ۔

کٹاری :- تم چھوٹی موٹی جتنی چاہے سرکاریں بلالو ——— میں سو روپے
واپس نہیں دینے کی۔

گلاب چلا جاتا ہے

بڑی سرکار :- (بازے کھیلتے ہوئے) کیوں؟

کٹاری :- اجی واہ ——— شرط جیتی ہے جناب!

بڑی سرکار :- کیسی شرط؟

کٹاری :- میری کلائی پکڑ لی، میں نے چھڑا لی ——— اور سَو روپے جیت لیا۔
اب آپ ہی بتایئے جناب، یہ روپے کیسے واپس ہو سکتے ہیں۔

بڑی سرکار :- تم ایک جگہ کھڑی کیوں نہیں رہتیں؟

کٹاری :- (مسکرا کر) چلت پھرت ہم خانہ بدوشوں کی زندگی ہے۔
چھوٹی سرکار داخل ہوتا ہے۔ کٹاری کی طرف نہیں دیکھتا۔

چھوٹی سرکار :- آپنے مجھے بلایا ہے؟

بڑی سرکار :- (کٹاری کی طرف اشارہ کرکے) یہ چیز دیکھنے کے لئے۔
چھوٹی سرکار کٹاری کی طرف دیکھتا۔ کٹاری مسکراتی ہے اور
اسکی طرف بڑھتی ہے۔

کٹاری :- آپ کیا شے ہیں جناب؟

بڑی سرکار ہنستا ہے۔

چھوٹی سرکار :- کون ہے یہ لڑکی؟

بڑی سرکار :- کٹاری ـــــ کلائی پکڑو اس کی۔

کٹاری :- نہ نہ نہ نہ ـــــ کٹ جائیں گے ہاتھ۔

بڑی سرکار :- کیوں نہیں، پکڑتے چھوٹی سرکار تمہاری کلائی؟

کٹاری :- شرط ہوگی سو روپے کی ساتھ۔

بڑی سرکار :- منظور!

کٹاری :- لاؤ ہاتھ۔

کٹاری بڑی سرکار کے ہاتھ پر ہاتھ مارتی ہے۔ اور آستین چڑھا کر اپنی کلائی چھوٹی سرکار کی طرف بڑھاتی ہے۔

کٹاری :- لو

بڑی سرکار :- چلو بھئی پکڑو۔

چھوٹی سرکار :- میں کچھ سمجھا نہیں۔

کٹاری :- تم پکڑو کلائی، میں سمجھاتی ہوں

چھوٹی سرکار کلائی پکڑتا ہے۔

کٹاری :- مضبوط پکڑو ـــــ لو میں لگی ہوں چھڑانے۔

چھوٹی سرکار ایک دم گرفت مضبوط کر دیتا ہے۔ کٹاری زور سے "اُوئی" کرتی ہے اور چھوٹی سرکار کے ہاتھ کو جھٹکا دیتی ہے۔ مگر وہ گرفت کو اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے۔ اب کٹاری زور لگانا شروع

کر دیتی ہے۔ مگر چھوٹی سرکار کلائی نہیں چھوڑتا ——
بڑی سرکار قہقہہ لگاتا ہے۔

بڑی سرکار :۔ (چھوٹی سرکار سے) چھوڑ دو کلائی!
چھوٹی سرکار کلائی چھوڑ دیتا ہے

بڑی سرکار :۔ کٹاری! تم ہار گئیں ہمارے بیٹے سے۔

کٹاری :۔ ہار کیسے گئی ..... (کلائی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) جب میں نے "اوئی" کیا تھا تو اس نے ہاتھ ڈھیلے کیوں نہ کئے۔ یہ بھی کوئی بات ہے (چھوٹی سرکار سے) سنگدل کہیں کا۔
چھوٹی سرکار مسکراتا ہے ..... بڑی سرکار قہقہہ لگاتا ہے۔ اور چھوٹی سرکار سے مخاطب ہوتا ہے۔

بڑی سرکار :۔ ہم جاتے ہیں، تم شرط کے روپے وصول کر لو اس سے —— چلو کالو۔
یہ کہہ کر بڑی سرکار باز کو پیار کرتا ہوا کالو کو ساتھ لے کر چلا جاتا ہے، کٹاری اپنے پیروں کے جھانجھ بجاتی ہے۔

کٹاری :۔ کیوں جناب! روپے وصول کرو گے مجھ سے؟

چھوٹی سرکار :۔ (کٹاری کا ہاتھ پکڑنا چاہتا ہے، مگر وہ تڑپ کر ایک طرف ہٹ جاتی ہے۔

کٹاری :۔ نہ نہ نہ نہ —— ہاتھ مت لگانا مجھے۔

چھوٹی سرکار :۔ کٹاری سنو —— کہاں رہتی ہو تم؟

کٹاری :۔ زمین کے اوپر ـــــ آسمان کے نیچے۔

چھوٹی سرکار :۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔

کٹاری :۔ کندھوں پر

چھوٹی سرکار :۔ اوہ! میں سمجھا...... (پاس جاکر آہستہ سے) کل آؤ گی؟

کٹاری :۔ کیا دو گے مجھے؟

چھوٹی سرکار :۔ جو تم مانگو گی۔

کٹاری :۔ واہ میرے راجہ ...... پیروں کے لئے گرگابی .... کانوں کے لئے بندے ..... ٹس لس کرتے ریشمی لہنگے....

چھوٹی سرکار :۔ سلمے ستارے کے دوپٹے۔

کٹاری :۔ نہیں جی نہیں ـــــ دوپٹے نہیں چاہئیں مجھے ...... ریشمی رومال .....

چھوٹی سرکار کٹاری کی طرف بڑھتا ہے، اور اُسے پکڑنا چاہتا ہے

چھوٹی سرکار :۔ (آہستہ سے، تم کل آنا ـــ میں سب کچھ لادوں گا۔

کٹاری :۔ لادو گے۔ پر تم چوروں کی طرح کیوں باتیں کرتے ہو۔

چھوٹی سرکار اُسے پکڑنا چاہتا ہے، مگر وہ تڑپ کر ایک طرف ہو جاتی ہے

کٹاری :۔ نہ نہ نہ نہ ـــ ہاتھ نہ لگانا مجھے (ہنستی ہے) اچھا تو میں چلی (چھوٹی سرکار کے کان میں) کل آؤں گی۔

یہ کہہ کر کٹاری تھرکتی ہوئی کمرے سے باہر نکل جاتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (باغ)

چمیلی گلاب کے پھول توڑ رہی ہے ——— کٹاری تھرکتی ہوئی آتی ہے۔ اور ایک پھول چمیلی سے چھین کر اپنے بالوں میں لگا لیتی ہے۔ چمیلی اس پر جھپٹتی ہے۔

چمیلی :- کون ہے تو ؟ - پھول لا ادھر۔

کٹاری :- مسکراتی ہے اور دو تین پھول چمیلی کے ہاتھ سے چھین لیتی ہے۔ ——— دونوں ایک دوسرے سے الجھ جاتی ہیں۔ اتنے میں چھوٹی سرکار آجاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- چمیلی !

چمیلی ایک طرف ہٹ جاتی ہے ——— کٹاری مسکراتی ہے اور سارے پھول جو کہ چمیلی کے ہاتھ سے گر گئے تھے اٹھا لیتی ہے۔

چمیلی :- کون ہے یہ چھوٹی سرکار ؟

کٹاری :- اس باغ کی مالک ——— (چھوٹی سرکار سے) کیوں ؟ مسکراتی ہے اور پتے نوچ کر چمیلی کے منہ پر پھینک کر تھرکتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیٹ کے باہر)

کٹاری تھرکتی ہوئی باہر نکلتی ہے ۔ گلاب ایک طرف کھڑا ہے اُسے دیکھ کر رک جاتی ہے ۔ پھر مسکرا کر اس کے پاس جاتی ہے ۔

کٹاری :۔ تم یہاں کھڑے ہو ؟

گلاب :۔ ہاں !

کٹاری :۔ آدمی اچھے ہو تم . . . . مجھے بچانے کے لئے جھوٹ بولنا پڑا تمہیں ۔

گلاب :۔ بڑی سرکار نے تم سے کیا کہا

کٹاری :۔ کچھ نہیں ۔ کہا جاؤ عیش کرو ۔ (ایک دم) میں نے کہا تمہارا نام کیا ہے ؟ ۔ میں بھول گئی ہوں ۔!

گلاب :۔ میرا نام گلاب ہے ۔

کٹاری :۔ (گلاب کا ایک پھول گھما کر سونگھتے ہوئے) ۔ ایسی خوشبو ہے تم میں ؟

گلاب خاموش رہتا ہے ۔

کٹاری گلاب کے کرتے کے بٹن ہول میں گلاب کا پھول لگا دیتی ہے

کٹاری :۔ کبھی آنا ہمارے ڈیرے ۔

یہ کہہ کر وہ چند قدم چلتی ہے ، مڑتی ہے اور ایک ادا کے ساتھ ایک پھول گلاب کی طرف پھینکتی ہے ۔ گلاب اُسے دبوچ لیتا ہے ۔ چھوٹی سرکار کی آواز آتی ہے ۔

چھوٹی سرکار :۔ یہ بات ہے ؟

گلاب کا ردِ عمل ــــ چھوٹی سرکار آتا ہے، گلاب اپنے بٹن ہول سے پھول نکال لیتا ہے اور ایک طرف چلا جاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- (مسکراتا ہے) پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں ــــ یہ مت بھولنا۔

گلاب ہنستا ہے

× × × × ×

فیڈ آوٹ

× × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (رات کا وقت)

ایک چبوترے پر پھل، مٹھائیاں اور کھانے کا سامان پڑا ہے ...... اس کے ارد گرد گھیرا بنائے خانہ بدوش لڑکیاں عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، کھڑے ہیں۔ ڈمرو آتا ہے اور چاروں طرف دیکھتا ہے۔

ڈمرو :- سب اکٹھے ہو گئے۔ (بلند آواز میں) بولو سو روپے کا نوٹ....

سب :- زندہ باد!

ڈمرو :- سو روپے کا نوٹ!

سب :- زندہ باد

ڈمرو :- ایک ــ دو ......

سب چبوترے پر ٹوٹ پڑتے ہیں ــ ایک شور برپا ہوتا ہے ــ

ایک سکنڈ کے عرصہ میں سب چیزیں صاف ہو جاتی ہیں۔ خاموشی چھاتی ہے —— ڈمرو ایک طرف بیٹھ کر بڑے اطمینان سے اپنے تہمد کا ڈب کھولتا ہے۔ اور ایک گھڑی نکالتا ہے، اس کی سوئیاں ہی نہیں وقت دیکھتا ہے۔

ڈمرو :۔ وقت ہو گیا میرے گانے کا!

یہ کہہ کر وہ گھڑی ڈب میں رکھتا ہے۔ اور پاس پڑا ہوا بکس کھولتا ہے۔ اس میں سے وہ بانجو نکالتا ہے، جس کے تار ہی نہیں کستا ہے تار جو نہیں ہیں، انہیں بجاتا ہے —— آواز آتی ہے —— مطمئن ہو کر آسن جما کر بیٹھتا ہے اور باقاعدہ بجانا شروع کرتا ہے۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کٹاری بانجو بجا رہی ہے —— ڈمرو گانا شروع کرتا ہے —— الفاظ بالکل بے معنی ہیں۔ لیکن وہ انہیں اس طرح ادا کرتا ہے، جیسے وہ ان کے معنی جانتا ہے —— اس دوران میں گلاب داخل ہوتا ہے —— کٹاری گلاب کو دیکھتی ہے تو مسکراتی ہے —— بے معنی گانا کورس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ دفعتہً کٹاری بانجو لیے اٹھتی ہے اور رقص شروع کر دیتی ہے۔ کورس بند ہو جاتا ہے —— کٹاری سولو گانا شروع کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ رقص کرتی ہے —— توجہ کا مرکز گلاب ہے جو بے چینی محسوس کرتا ہے —— کٹاری یہ دیکھتی ہے تو گانا بند کر دیتی ہے اور گلاب کو کھینچ کر ایک طرف لے جاتی ہے۔

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (جھرنا)

گلاب کا ہاتھ پکڑے کٹاری آتی ہے۔ جھرنے اور اس کے آس پاس کی فضا کو پیار کی نظر سے دیکھتی ہے۔

کٹاری :- کتنی خوبصورت جگہ ہے، میں رات کو یہاں نہایا کرتی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اپنا لہنگا اونچا کرتی ہے اور پانی میں جاتی ہے۔

کٹاری :- بہت ٹھنڈا پانی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کہہ کر وہ بڑے پتھر پر بیٹھ جاتی ہے۔

کٹاری :- آؤ گلاب بیٹھو۔

گلاب اس کے پاس بیٹھ جاتا ہے، کسی قدر جھینپتے ہوئے۔

کٹاری :- تم اتنے شرمیلے کیوں ہو؟

گلاب :- تم آزاد ہو، اور میں نے اپنی ساری زندگی غلامی میں گزاری ہے۔

کٹاری :- کس کی غلامی میں؟

گلاب :- جن کے پاس میں نوکر ہوں۔

کٹاری :- چھوڑ دو نوکری۔

گلاب :- کھاؤں گا کہاں سے؟

کٹاری :- کھاؤ گے کہاں سے؟ (بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیتی ہے۔ (پھر ایکدم سنجیدہ ہو کر) میری عمر کیا ہو گی؟

گلاب :- یہی کوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کٹاری :- اٹھارہ سال کی ہوں۔ تم قسم لے لو مجھ سے، جو میں نے ایک دن بھی سوچا

ہو کہ کھاؤں گی کہاں سے ۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ کھانا جانتی ہوں

(ایکدم لہنگے کی جیب سے ایک ناشپاتی نکالتی ہے ، لو کھاؤ ۔

گلاب کے ہاتھ پر ناشپاتی رکھتی ہے تو اس میں پھول دکھائی دیتے ہیں ۔

کٹاری :- یہ کیا ؟

گلاب :- تمہارے دیئے ہوئے پھول !

کٹاری :- پھینکوں ان کو میں تمہیں اور دوں گی ۔

پھول پانی میں پھینک دیتی ہے ۔ گلاب اُٹھا لیتا ہے اور بڑی سنجیدگی سے کٹاری سے گفتگو شروع کرتا ہے ۔

گلاب :- کٹاری !

کٹاری :- کیا ؟

گلاب :- یہ پھول تم نے مجھے کیوں دیئے تھے ۔

کٹاری :- کیوں دیئے تھے (پانی میں کود جاتی ہے) ہائے بڑا ٹھنڈا پانی ہے ۔

گلاب کٹاری کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے ۔

گلاب :- کٹاری !

کٹاری :- (ادا کے ساتھ) کیا ہے ؟

گلاب :- یہ پھول تم نے مجھے کیوں دیئے تھے ؟

کٹاری :- پانی بہت ٹھنڈا ہے ۔

گلاب چڑ کر پھول پانی میں دے مارتا ہے ۔

کٹاری :- (ہنستی ہے اور پھول اُٹھاتی ہے) پانی اتنا ٹھنڈا ہے کہ ۔ دیکھو پھول

بھی ٹھنڈے ہو گئے۔ (گلاب چل پڑتا ہے)

کنّاری :۔ بس اتنی بات پر ناراض ہو گئے۔ سو روپے کے نوٹ جی، میں نے پھول اس لئے تھے ... گلاب جواب کا متوقع ہے۔ کنّاری چپ ہو جاتی ہے تو اُسے کوفت ہوتی ہے

کنّاری :۔ احمق ہے، میں نے پھول اس لئے دیئے تھے کہ تم اس قابل تھے کہ تمہیں پھول دیئے جائیں! گلاب کنّاری کا ہاتھ پکڑ کر دباتا ہے۔

کنّاری :۔ تم خود بھی تو ایک پھول ہو!

گلاب :۔ (ایک دم سنجیدگی کے ساتھ) کنّاری!

کنّاری :۔ (آنکھیں مٹکا کر) کیا؟

گلاب :۔ مجھے معلوم نہیں تم نے جھوٹ کہا ہے یا سچ لیکن میں : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

کنّاری :۔ (شرارت سے) پانی بہت ٹھنڈا ہے۔

گلاب ہنس پڑتا ہے۔ کنّاری بھی ہنسنا شروع کر دیتی ہے، گلاب اُسے پکڑ لیتا ہے۔ قریب ہے کہ گلاب اِسے اپنے سینے کے ساتھ لگالے کہ "چچ۔ چچ" کی آواز آتی ہے۔ گلاب کا رد عمل ــــ بیگم بندریا ہاتھ میں سگریٹ اور ماچس لئے داخل ہوتی ہے۔ کنّاری اُسے سگریٹ اور ماچس لے لیتی ہے ــــ

کنّاری :۔ میں رات کو نہانے کے بعد ایک سگریٹ پیا کرتی ہوں۔

بندریا کو اُٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیتی ہے۔

کنّاری :۔ گلاب تم اب جاؤ۔ مجھے نہانا ہے۔ کل آؤں گی تم سے ملنے۔

گلاب :۔ لیکن!

کنّاری :۔ (شرارت سے) پانی بہت ٹھنڈا ہے ۔ (دونوں ہنستے ہیں)

× × × × ×

فیڈ آؤٹ

× × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ)

ہم فیڈ اِن کرتے ہیں ۔

چمیلی ریڈیو صاف کر رہی ہے صاف کرنے کے بعد وہ اِسے آون کرتی ہے اور ایک اسٹیشن لگاتی ہے ۔

سازوں پر کوئی گت بج رہی ہے اسکی تال پہ چمیلی ناچنا شروع کر دیتی ہے ناچتی ناچتی وہ سنگار میز کے پاس جاتی ہے ۔ آئینہ میں اپنے بال سنوارتی ہے ۔ پھر ناچتی ہوئی تپائی کی طرف جاتی ہے ۔ جہاں رسالے پڑے ہیں ۔ ایک رسالہ اٹھاتی ہے اُسکے سرورق پر نیم برہنہ تصویر ہے ۔ ایک دم اُسے الٹا کر کے تپائی پر رکھتی ہے ۔ پھر مسکرا کر اُسے اٹھاتی ہے اور تصویر کو بڑے غور سے دیکھتی ہے ۔ تصویر دیکھتی دیکھتی کھڑکی کی طرف بڑھتی ہے ۔ ایک دم موٹر سائیکل کی پھٹ پھٹ سنائی دیتی ہے ۔ چمیلی چھپ کر کھڑکی میں سے باہر جھانکتی ہے ۔ گیرج کا ٹاٹ کا پردہ ہل رہا ہے ۔ تھوڑے توقف کے بعد چھوٹی سرکار بغل میں کچھ چیزیں دبائے باہر نکلتا ہے

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (باغ)

ہم کٹ کر کے باغ میں آتے ہیں ۔

مالی کیاریاں ٹھیک کر رہا ہے ـــــ چھوٹی سرکار اس کے پاس آتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- مالی!

مالی :- حضور!

چھوٹی سرکار :- گلاب کہاں ہے؟

مالی :- (اُٹھ کر) دیکھتا ہوں حضور۔

چھوٹی سرکار :- (بوٹ کا کھلا ہوا ڈبہ دکھا کر) گرگابی کا ایک پیر راستے میں گر گیا ہے۔ اس سے کہو کہ جلدی تلاش کر کے لائے (گرگابی کا دوسرا پیر دکھا کر) اِسکے ساتھ کا۔

مالی :- (گرگابی کے پیر کو معنی خیز نظروں سے دیکھکر) بہت اچھا حضور!

چھوٹی سرکار :- ایک دم جلدی ۔ کہنا سائیکل لے جائے میری۔

یہ کہکر وہ سامنے دیکھتا ہے ۔ پلٹتا ہے تو مالی مسکرا رہا ہے ۔ لیکن وہ فوراً ہی مسکرانا بند کر دیتا ہے۔

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ)

چمیلی کھڑکی سے ہٹ کر جلدی جلدی ریڈیو بند کر دیتی ہے ۔ ایسا کرتے ہوئے وہ رسالہ اپنی بغل میں دبا لیتی ہے چھوٹی سرکار داخل ہوتا ہے۔ چمیلی کا ردِعمل ۔ اسکی بغل میں سے رسالہ گر پڑتا ہے ـــ دوسرا ردِعمل ۔ چھوٹی سرکار اسکے پاس آتا ہے ۔ رسالہ زمین پر دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے، چمیلی جھینپ جاتی ہے۔ چھوٹی سرکار رسالہ اُٹھانے کیلئے جھکتا ہے تو اس کی بغل میں سے بنڈل کھل کر گر پڑتا ہے ۔ ۔ ۔ ایک دو لہنگے ہیں ۔ کچھ ریشمی رومال اور اِسی قسم

کی کچھ اور چیزیں ۔

چھوٹی سرکار :۔ اُٹھاؤ نہیں ۔

چمیلی یہ چیزیں اُٹھاتی ہے اور ہر ایک کو غور سے دیکھتی ہے ۔

چمیلی :۔ کس کے لئے لائے ہیں چھوٹی سرکار ؟

چھوٹی سرکار :۔ (رسالہ کی تصویریں دیکھتے ہوئے) بوجھو !

چمیلی :۔ میں کیا جانوں ۔

چھوٹی سرکار :۔ رکھو پلنگ پر بتاتا ہوں ۔

چمیلی اُٹھ کر چیزیں پلنگ پر رکھتی ہے۔ چھوٹی سرکار آگے بڑھکر چمیلی کو پکڑتا ہے ۔

چھوٹی سرکار :۔ بیٹھو اِدھر !

چھوٹی سرکار چمیلی کو اپنے ساتھ پلنگ پر بٹھاتا ہے ۔

چھوٹی سرکار :۔ تم اس روز بھاگ کیوں گئی تھیں ۔

چمیلی :۔ (شرما کر) معلوم نہیں

چھوٹی سرکار :۔ معلوم نہیں ؟ ۔ تمہیں سب کچھ معلوم ہے ۔ یہ معلوم نہیں تمہیں کہ ہم تم سے پیار کرتے ہیں ۔ (چمیلی کا ہاتھ پکڑتا ہے)

چمیلی :۔ (پلنگ پر چیزیں دیکھ کر) یہ کس کے لئے لائے ہیں آپ ؟

چھوٹی سرکار :۔ تمہارے لئے ۔

چمیلی :۔ میرے لئے ۔

یہ کہکر چمیلی ریشمی لہنگے پر ہاتھ پھیرتی ہے ۔ چھوٹی سرکار چمیلی کے منہ پر ہولے سے طمانچہ مار کر اُٹھتا ہے، اور دروازے کی طرف بڑھتا ہے ۔

دروازہ بند کرنا چاہتا ہے، کہ چمیلی دیوانہ وار آتی ہے۔

چمیلی :- نہیں - نہیں - چھوٹی سرکار نہیں۔

چھوٹی سرکار :- (چمیلی کو پکڑ کر) تم کیسی ہو —— نہ ادھر نہ اُدھر

چمیلی :- (توقف کے بعد سنبھل کر) معلوم نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے

چھوٹی سرکار :- پگلی!

یہ کہکر دروازہ بند کرنے لگتا ہے کہ باہر سے زور کی چیخ ہے۔ چھوٹی سرکار تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھتا ہے۔

× × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیٹ)

گیٹ کی پرلی طرف کنّاری کھڑی ہے۔ اِدھر مالی ہے۔

کنّاری :- دیکھو میں اور زیادہ زور سے چیخوں گی۔ کھول دو دروازہ۔

مالی :- میں کہہ چکا ہوں چھوٹی سرکار باہر ہیں۔

کنّاری :- (زور سے چیختی ہے۔)

ہم کٹ کر کے دکھاتے ہیں کہ باغ میں گلاب یہ چیخ سنتا ہے اور دوڑتا ہے۔

کنّاری :- لو وہ گلاب آگیا۔ گلاب —! (گلاب آتا ہے)

گلاب :- کنّاری — آؤ آؤ۔

گلاب دروازہ کھولتا ہے، کنّاری اندر آتی ہے اور مالی کو جیبھ نکالکر دکھاتی ہے

کنّاری :- یہ مالی کا بچہ مجھے اندر آنے نہیں دیتا تھا۔

گلاب :- (مسکراتا ہے) آؤ!

دونوں بڑھنے لگتے ہیں، کہ مالی گلاب سے مخاطب ہوتا ہے۔

مالی :- گلاب!

گلاب :- کیا؟

مالی :- چھوٹی سرکار راستے میں زنانہ گرگابی کا پیر گرا آئے ہیں۔

گلاب :- زنانہ گرگابی کا پیر؟

مالی :- کہا ہے کہ تم فوراً موٹر سائیکل لے کر جاؤ۔

گلاب :- میں کہاں ڈھونڈتا پھروں گا۔

مالی :- جو حکم ہے میں نے تمہیں سنا دیا ہے!

گلاب :- حکم - ہاں - جاتا ہوں - (کٹاری سے) میں ابھی آتا ہوں۔

گلاب چلا جاتا ہے۔ کٹاری ٹہلتے ٹہلتے اپنے سامنے دیکھتی ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ)

ہم کٹ کر کے کھڑکی پر آتے ہیں۔

چھوٹی سرکار کھڑکی سے ہٹتا ہے۔ اور چمیلی سے جو اس کے پاس کھڑی ہے مخاطب ہوتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- چمیلی، اب تم جاؤ!

چمیلی :- (کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے) جاؤں۔

چھوٹی سرکار :- ہاں، پھر آنا۔

چمیلی :- یہ کون لڑکی ہے؟

چھوٹی سرکار :- کون ؟

چمیلی :- میں - وہی جس نے مجھ سے پھول چھینے تھے -

چھوٹی سرکار :- ہاں، ہاں، وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب تم جاؤ -

چمیلی :- میں نہیں جاؤں گی -

موٹر سائیکل کی پھٹ پھٹ سنائی دیتی ہے -

چھوٹی سرکار :- گلاب آگیا - (تھوڑے توقف کے بعد) جاؤ چمیلی کوئی آجائے گا -

کٹاری کی آواز آتی ہے -

کٹاری :- میرے سوا کوئی نہیں آسکتا -

چمیلی اور چھوٹی سرکار کا ردِ عمل - کٹاری ادائیں بکھیرتی چھوٹی سرکار کے پاس آتی ہے -

کٹاری :- آداب عرض کرتی ہوں چھوٹی سرکار ! (چمیلی کی طرف دیکھکر جیبھ نکالتی ہے)

چھوٹی سرکار :- چمیلی جاؤ !

چمیلی ایک لحظے کیلئے کھڑی رہتی ہے اس کے بعد جلی بھنی باہر چلی جاتی ہے

چھوٹی سرکار دروازہ بند کرکے اندر سے چٹخنی چڑھاتا ہے - کٹاری کا ردِ عمل

کٹاری :- دروازہ کیوں بند کرتے ہو ؟

چھوٹی سرکار :- (مسکرا کر) کوئی آنہ جائے -

کٹاری :- اور جو کوئی چلائے ؟

چھوٹی سرکار :- کیا ؟

کٹاری :- کچھ نہیں (ہنستی ہے اور تھرکتی ہوئی پلنگ کی طرف جاتی ہے - چیزیں

دیکھ کر) ارے واہ تم تو وعدہ کے پکے نکلے (چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھتی ہے)
چھوٹی سرکار اس کے پاس آتا ہے۔

کٹاری :- (ایک دم چھوٹی سرکار سے) تم اندھے تو نہیں؟

چھوٹی سرکار :- (حیرت سے) کیوں؟

کٹاری :- (اپنے پاؤں دکھا کر) میرے دو پاؤں ہیں (گرگابی اٹھا کر) اور یہ ایک ہے

چھوٹی سرکار :- (ہنستا ہے) ایک پیر گر گیا راستہ میں۔

کٹاری :- اوہ

چھوٹی سرکار :- (پیار سے) آؤ بیٹھو۔

کٹاری :- نہیں جناب - مجھ سے نہیں بیٹھا جاتا۔ (پلنگ پر سے چیزیں اٹھاتی ہے)

چھوٹی سرکار :- (کٹاری کا بازو پکڑ کر) بیٹھ بھی جاؤ۔

کٹاری :- نہ نہ نہ - ہاتھ مت لگاؤ مجھے - کٹ جائے گا۔

تڑپ کر ایک طرف ہو جاتی ہے - چھوٹی سرکار اٹھتا ہے۔ اور اسے پکڑنا چاہتا ہے، کٹاری ملحقہ کمرے میں دوڑ جاتی ہے - چھوٹی سرکار مطمئن ہو کر کمرے کی طرف بڑھتا ہے۔ کھٹ سے دروازے کے پٹ بند ہو جاتے ہیں
چھوٹی سرکار دستک دیتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- کٹاری! کٹاری!!

کٹاری :- (اندر سے آواز آتی ہے) ٹھہرو میں کپڑے بدل رہی ہوں۔

چھوٹی سرکار اضطراب میں ٹہلنا شروع کر دیتا ہے - دروازہ کھلتا ہے۔
کٹاری جھانکتی ہے۔

کناری :- بابو!

چھوٹی سرکار متوجہ ہوتا ہے۔

کناری :- ازار بند ڈالنا ہے، کوئی چیز دو۔

چھوٹی سرکار میز پر سے "پروفی" اٹھا کر کناری کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ کناری دانتوں سے کاٹتی ہے اور دروازہ بند کر دیتی ہے۔ چھوٹی سرکار ہاتھ سہلاتا رہ جاتا ہے۔ بھنایا ہوا ٹہلنا شروع کر دیتا ہے۔ ریڈیو کے پاس جاتا ہے اور آن کر کے کوئی اسٹیشن لگاتا ہے۔ ڈانس کی دھن شروع ہوتی ہے۔ چھوٹی سرکار وہ پرچہ اٹھاتا ہے، جسکے سرورق پر نیم برہنہ تصویر چھپی ہے، اور کمرے کی طرف دیکھتا ہے دروازہ کھلتا ہے۔ کناری نئے کپڑوں میں، ایک پاؤں میں گرگابی پہنے ریڈیائی موسیقی کی تال پر ناچتی کمرے میں آتی ہے۔ پرانے کپڑے ایک طرف پھینک دیتی ہے۔ چھوٹی سرکار کی طرف بڑھتی ہے۔ رسالہ پر ایک نظر ڈالتی ہے، اور چھین کر پھینک دیتی ہے۔

کناری :- چھی - چھی - چھی

چھوٹی سرکار :- آؤ بیٹھو!

کناری :- نہیں جناب - مجھ سے نہیں بیٹھا جاتا - تم مجھے یہ بتاؤ روپے پیسے کہاں رکھتے ہو؟

چھوٹی سرکار :- اوہ - ادھر آؤ!

چھوٹی سرکار میز کا دراز کھولتا ہے۔ اسمیں بہت سے نوٹ دکھائی دیتے

ہیں - کٹاری جیب سے پانسے نکالتی ہے اور انہیں ہاتھ میں ہلاتی ہے

کٹاری :- کہو چھ تین، نو پھینکوں -

چھوٹی سرکار :- چھ تین تم پھینک چکیں -

کٹاری :- لگاؤ شرط -

چھوٹی سرکار :- لگاؤ -

کٹاری :- سَو سَو روپے !

چھوٹی سرکار :- رہے -

کٹاری :- لو .... (پانسے پھینکتی ہے) یہ لو چھ تین نو -

چھ تین، نو آجاتے ہیں - کٹاری جھٹ سے دراز میں سے سو روپے کا نوٹ اٹھاتی ہے - چھوٹی سرکار پانسے اٹھا کر دیکھتا ہے - ایک پر تین ہی تین ہیں اور دوسرے پر چھ ہی چھ -

چھوٹی سرکار :- ٹھہرو (پکڑنا چاہتا ہے)

کٹاری بھاگتی ہے - دروازہ کھولکر باہر نکل جاتی ہے - چھوٹی سرکار تعاقب کرتا ہے، مگر کٹاری دروازہ بند کردیتی ہے - چھوٹی سرکار بھنا جاتا ہے

چھوٹی سرکار :- کٹاری ! کٹاری !!

کٹاری دروازہ نہیں کھولتی - چھوٹی سرکار مختلف چیزوں کو ٹھوکریں مارتا ریڈیو کے پاس آتا ہے - بٹن گھماتا ہے تو موسیقی بہت ہی اونچی ہوجاتی ہے ــــ چھوٹی سرکار ایکدم ریڈیو بند کردیتا ہے اور کرسی پہ بیٹھ جاتا ہے - لیکن فوراً ہی اُٹھتا ہے - اور دروازے کے پاس جاکر زور سے دستک دیتا ہے ــــ

دروازہ کھلتا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ کٹاری!

دروازہ پورا کھلتا ہے گلاب دکھائی دیتا ہے، اس کے ہاتھ میں گرگابی کا ایک پیر ہے۔ کٹاری کا نام سن کر اس کا ردعمل۔

گلاب :۔ دروازہ کس نے بند کیا تھا بابو سے۔

چھوٹی سرکار :۔ کٹاری نے۔

گلاب :۔ کٹاری نے؟

چھوٹی سرکار :۔ ہاں! گرگابی کا پیر مل گیا؟

گلاب :۔ جی ہاں!

چھوٹی سرکار :۔ آؤ اندر ......

گلاب اندر داخل ہوتا ہے، اور کٹاری کے پرانے کپڑے دیکھ کر ٹھٹکتا ہے۔

گلاب :۔ یہ کپڑے ....

چھوٹی سرکار :۔ کٹاری کے ہیں (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) دیکھ گلاب، اس کا کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔

گلاب :۔ کس کا؟

چھوٹی سرکار :۔ (پانسوں سے کھیلتا ہوا اٹھتا ہے) کٹاری کا ... آج چکمہ دے گئی ہے مجھے .... سب چیزیں لے گئی ۔ سب کیا، سو روپے کا ایک نوٹ بھی صاف کر کے چلتی بنی ۔ اور ہاتھ تک نہ لگانے دیا مجھے ۔

گلاب کا موزوں و مناسب رد عمل۔

چھوٹی سرکار :- ایک دن راہ پر تو آ ہی جائے گی۔ لیکن میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا — معاملہ یوں پٹنا چاہیئے — یوں (چٹکی بجاتا ہے) تم ایسا کرو — یہ گرگابی کا پیر لے جاؤ اس کے ڈیرے اور اس سے کہو کل مجھ سے ملنے آئے — اور چیز بن ملیں گی —— سمجھے۔

گلاب :- جی؟ — جی!

چھوٹی سرکار :- میں سب انتظام کر رکھوں گا — بس کھا لیا ایک غچہ۔

گلاب گرگابی کا پیر میز پر رکھتا ہے اور سوچ میں غرق ہو جاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- کہاں چلے گلاب؟

گلاب :- جی کٹاری کے ڈیرے!

چھوٹی سرکار :- تو گرگابی کا یہ پیر تو لیتے جاؤ۔

گلاب :- جی؟ — جی ہاں . . . . .

گلاب گرگابی کا پیر اٹھاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ چھوٹی سرکار پانسے ہلا کر پھینکتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- لو، چھ تین نو — چھ تین نو بن جاتے ہیں — چھوٹی سرکار ہنستا ہے

× × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرا (ڈمرو کا خیمہ) رات کا وقت

ڈمرو چٹائی پر بیٹھا ہے، اور پانسے بنا رہا ہے۔

ڈمرو :- لو بھئی — یہ لو کچے بارہ — (کچے بارہ پھینکتا ہے۔)

ڈمرو :- صدقے جائیے راجہ نل کے . . . . کچے بارہ ہی آئے (پانسے اُٹھا کر ہاتھ میں ہلاتے ہوئے) لو دوست اب چھ تین نو پھینکتا ہوں ۔ (پانسے پھینکتا ہے) لو، دھرے پڑے ہیں، چھ تین نو ۔

چھ تین نو بن جاتے ہیں ۔ ڈمرو اپنے کندھے پر تھپکی دیتا ہے ۔

ڈمرو :- ڈمرو استاد میری پیٹھ پر جوگنی ہے جوگنی ۔ لاؤ دوست ڈھیلے کرو دس روپے ۔

ڈمرو دس روپے پکڑتا ہے ۔ کیمرہ پیچھے ہٹتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے دوسرے ہاتھ سے دس کا نوٹ لے رہا ہے ۔ نوٹ جیب میں رکھتا ہے — ڈب کھول کر بغیر سوئیوں کی گھڑی نکالتا ہے ۔ جمائی لیتا ہے ۔

ڈمرو :- وقت ہو گیا میرے سونے کا ۔

چٹائی پر لیٹ جاتا ہے ۔ کتا بھونکتا ہے "عف عف"

ڈمرو :- ایک دو — مطلب ہے اپنا ہی آدمی آیا ہے ۔

کتا بھونکتا ہے "عف عف"

ڈمرو :- تین چار — نہیں باہر کا آدمی ہے ۔

اُٹھتا ہے اور خیمہ کے باہر نکلتا ہے ۔

× × × × × ..

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ ۔ بیرونی حصہ) رات کا وقت

ڈمرو باہر نکلتا ہے تو اُسے گلاب دکھائی دیتا ہے ۔

ڈمرو :- کیوں بابو ؟

گلاب :- کناری کہاں ہے ؟

ڈمرو :- کیوں ؟

گلاب :- اس کے لئے ایک چیز لایا ہوں ۔

ڈمرو :- میرا خیال ہے اس وقت نہا کے سگریٹ پی رہی ہے ۔ جانتے ہو کہاں ؟

گلاب :- جانتا ہوں ۔

ڈمرو :- میں بھی سب کچھ جانتا ہوں ۔

گلاب :- کیا ؟

ڈمرو :- کچھ نہیں ۔ جاؤ (گلاب چلتا ہے)

× × × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (جھرنا ۔ رات کا وقت)

کٹاری پتھروں پر ٹانگ رکھے لیٹی ہے ۔ ایک ہاتھ میں سگریٹ ہے ۔ آہستہ آہستہ آنکھیں بند کرتی ہے ۔ ہاتھ جس میں سگریٹ ہے ڈھیلا ہو کر لٹک جاتا ہے ۔ سگریٹ پانی کی سطح کے ساتھ چھو جاتا ہے اور یکدم بجھ جاتا ہے ۔ کٹاری چونکتی ہے ۔ مسکراتی ہے اور سگریٹ پھینک کر پھر آنکھیں بند کر لیتی ہے ۔ تھوڑے توقف کے بعد گلاب کی آواز آتی ہے ۔

گلاب :- کٹاری !

کٹاری :- (آنکھیں کھول کر) کون ؟ ۔ اوہ گلاب ! ۔ (اٹھ کر بیٹھ جاتی ہے) آؤ ۔ آؤ ۔

گلاب آتا ہے ۔ کاغذ کھول کر گرگابی کا پیر نکالتا ہے ۔

کٹاری :- (خوش ہو کر) مل گیا تھا تمہیں ؟

گلاب :- ہاں !

اور وہ یہ کہہ کر زور سے گرگابی کا پیر پانی پر دے مارتا ہے۔

کٹاری گلاب کی اس حرکت پر سخت متحیر ہوتی ہے۔ گلاب واپس چلنے کیلئے

مُڑتا ہے۔

کٹاری :- گلاب !

گلاب :- نام نہ لاؤ میرا زبان پر۔

کٹاری :- کیا ہوا تمہیں ؟ —— منھ کیوں سوجا ہوا ہے تمہارا ؟

گلاب :- تم نے چانٹا جو مارا ہے۔

کٹاری :- چانٹا ؟ —— میں نے۔

گلاب :- ہاں تم نے (ایک دم مڑ کر) کیوں گئی تھیں تم چھوٹی سرکار کے پاس ؟"

کٹاری :- او (ہنستی ہے اور لہنگے کی جیب سے سو روپے کا نوٹ نکالتی ہے)۔

یہ لینے —— تمہارے واپس جو دینے تھے۔

گلاب :- مجھے نہیں چاہیئے۔

کٹاری :- لے لو گلاب — اب تو ہماری تمہاری دوستی ہے — پہلے اور

بات تھی — لو۔

گلاب :- (نوٹ لے کر پرزے پرزے کر دیتا ہے) یہ لو۔

کٹاری :- (سخت متحیر ہو کر) کیا ہوا ہے تمہیں ؟

گلاب :- میرے بس میں ہوتا، تو تمہارے ان کپڑوں کو بھی چندی چندی کر دیتا۔

جو تم اس بدمعاش سے لائی ہو — تمہیں شرم نہیں آتی۔

کنّاری :۔ کس بات کی ؟

گلاب :۔ بھولی مت بنو کنّاری ۔ مفت میں کوئی اتنی چیزیں اور روپے نہیں دیا کرتا ..... کیوں لئے تم نے اس سے یہ کپڑے ؟

کنّاری :۔ مجھے ان کا شوق ہے ۔

گلاب :۔ اُسے بھی کچھ شوق ہے .....

کنّاری :۔ کیا ؟

گلاب :۔ پتہ چل جائے گا نہیں ۔

کنّاری :۔ اُونہہ ۔ ایسے میں نے کئی دیکھے ہیں ۔ میں اس انگلی پر نچا سکتی ہوں اُسے ۔

گلاب :۔ میں تم سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اب مت جانا وہاں ۔

کنّاری :۔ کیوں نہ جاؤں ۔ اس کے پاس دولت ہے ۔ اور مجھے اپنے ہار سنگھار کیلئے اتنی چیزیں چاہئیں ۔

گلاب :۔ میں کہتا ہوں، تم نہیں جاؤ گی ۔

کنّاری :۔ میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی ۔ اتنی دیر کے بعد کام کا آدمی ملا ہے

گلاب :۔ (زہر خند کیساتھ) اور اس کام کے آدمی کے پاس اپنا آپ چند ریشمی کپڑوں کے بدلے بیچو گی ۔

کنّاری :۔ (ایکدم گلاب کے منہ پر چانٹا مارتی ہے) بکو نہیں ۔

گلاب خاموش کھڑا رہتا ہے ۔

کنّاری :۔ (چلّا کر) جاؤ ۔ جاؤ ۔ جاؤ ۔ چلے جاؤ یہاں سے (گلاب کو دھکا دیتی ہے)

گلاب چلا جاتا ہے۔ تو کٹاری پتھر اٹھا اٹھا کر پھینکتی ہے۔ گلاب خاموش چلتا رہتا ہے۔ کٹاری رونا شروع کر دیتی ہے۔

کٹاری:۔ میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔

یہ کہہ کر وہ زمین پر پتھروں اور کنکروں کو ٹھوکریں مارتی چلتی ہے۔

× × × × × ×

خانہ بدوشوں کا ڈیرہ (ڈمرو کا خیمہ) رات کا وقت

ڈمرو چٹائی پر سو رہا ہے۔ زور سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا اندر آتا ہے اور ڈمرو کے لگتا ہے، ڈمرو گھبرا کر اٹھتا ہے اور پتھر دیکھتا ہے۔ کٹاری کی آواز آتی ہے۔

کٹاری:۔ میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔

سخت غصہ اور چڑچڑے پن کے عالم میں کٹاری اندر داخل ہوتی ہے اور دو تین چیزیں اٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے۔

کٹاری:۔ مجھے اپنے ہار سنگھار کیلئے اتنی چیزیں چاہئیں۔ اس کنگلے کے پاس کیا ہے۔ (دو ایک چیزیں اور اٹھا کر دے مارتی ہے۔

ڈمرو:۔ کٹاری!

کٹاری:۔ محبت کرتا ہے مجھ سے ... محبت نہ ہوئی پنجرہ ہوگیا.... تم نہیں جاؤ گی وہاں ..... واہ ... میں جاؤنگی اور ضرور جاؤں گی۔

ڈمرو:۔ کٹاری!

کٹاری:۔ بک نہیں ..... مجھے ریشمی کپڑے چاہئیں .... مجھے بہت

سے ریشمی کپڑے چاہئیں ۔ مجھے ڈھیروں ریشمی کپڑے چاہئیں ....
میں جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی ...... اس کو چڑانے کیلئے جاؤں گی.
.... لیکن .... لیکن میں نے اُسے کیوں مارا (رونا شروع کر دیتی ہے)
میں نے اُسے کیوں مارا ... (ایکدم موڈ بدل کر) مارا ہے ٹھیک مارا ہے.
اُس نے کیوں کہا کہ میں بیچ دوں گی اپنے آپ کو ..... میری سمجھ میں کچھ نہیں
آتا ..... روتی روتی باہر نکل جاتی ہے ۔

ڈمرو :۔ (بڑے فلسفیانہ انداز میں) کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس کا یہ مطلب ہے
عشق ہوگیا ہے لونڈیا کو ...... اور یہ کاروبار کیلئے کوئی مفید چیز نہیں۔
ڈمرو چٹائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے ۔

ڈمرو :۔ لیکن اس کا علاج کر دیا جائے گا ۔

× × × × ×

فیڈ آؤٹ

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (باغ ۔ فوارہ)

گلاب فوارے کی مینڈ پر بیٹھا ہے ۔ فوارہ چل رہا ہے، گلاب
پانی کی بوندوں کے ساتھ کھیل رہا ہے ۔ تھوڑے وقفے کے بعد ایک
گلاب کا پھول گلاب کے چہرہ کے ساتھ ٹکرا کر پانی میں گر جاتا ہے ۔
گلاب کا ردعمل ۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے ۔ کوئی نظر نہیں آتا ۔
اٹھتا ہے کہ ایک گلاب کا پھول اور اُسکے سر پر لگتا ہے ۔ آواز آتی ہے ۔

چمیلی :- گلاب!

گلاب :- کون ہے؟

گلاب ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ دس پندرہ قدم چل کر جھاڑی کے پاس پہنچتا ہے۔ آواز آتی ہے۔

چمیلی :- گلاب! (چمیلی جھاڑی کے عقب سے نکلتی ہے اور ہنستی ہے)

گلاب :- اوہ! چمیلی!

چمیلی گلاب کے پھول کی پتیاں نوچتی ہوئی گلاب کے پاس آتی ہے۔

چمیلی :- تم ہم سے بات ہی نہیں کرتے۔

گلاب :- (بے اعتنائی سے) میرے مُنہ میں وہ زبان نہیں جو چھوٹی سرکار کے مُنہ میں ہے — چمیلی بُرا سا مُنہ بناتی ہے — گلاب ایک طرف ہٹ جاتا ہے۔ چمیلی اُسکی طرف بڑھتی ہے۔

چمیلی :- یہ کٹاری کون ہے؟

گلاب :- مجھے معلوم نہیں۔

چمیلی :- چھوٹی سرکار کو تو بہت پسند ہے — کل اتنی چیزیں لاکر دیں اُسے۔

گلاب :- دیں ہوں گی۔

چمیلی :- تم نے تو آج تک مجھے کچھ نہیں دیا۔

گلاب :- غریب آدمیوں کے پاس دینے کیلئے چیزیں نہیں ہوتیں۔ ایک دل ہوتا ہے

چمیلی :- (ایک دم) اور وہ ......

گلاب :- میں دے چکا ہوں۔

چمیلی :- کیسے ؟

گلاب :- جو لے گیا ۔

چمیلی :- بتاؤ کون ہے وہ ؟

باتیں کرتے کرتے دونوں گیٹ کے پاس پہنچ جاتے ہیں ۔ ایک دم کٹاری داخل ہوتی ہے ۔ اس وقت چمیلی نے اپنا مکالمہ ادا کرتے ہوئے پھول کی پتیاں گلاب کے منہ پر پھینکی ہوتی ہیں ۔ گلاب، چمیلی اور کٹاری کا ردعمل ۔ کٹاری ایک لحظے کیلئے رکتی ہے ۔ بہت ہی بے رخی سے گلاب کی طرف دیکھتی ہے اور پوچھتی ہے ۔

کٹاری :- چھوٹی سرکار ہیں اندر ؟

گلاب جواب نہیں دیتا ۔ کٹاری چلتی ہے ۔ گلاب دیکھتا رہ جاتا ہے ۔

چمیلی :- (غصہ میں کٹاری سے) اے ۔ کدھر جاتی ہے تو ؟

کٹاری کو روکنے کیلئے بڑھتی ہے، گلاب اسے پکڑ لیتا ہے ۔

گلاب :- جانے دے جدھر جاتی ہے ۔ (کٹاری مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے)

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی چھوٹی سرکار کا کمرہ

دہلیز پر کالو کھڑا ہے ۔ (چھوٹی سرکار اس سے مخاطب ہوتا ہے)

چھوٹی سرکار :- سمجھ گئے نہ سب کچھ ؟

کالو :- جی ہاں سرکار !

(کٹاری کے آنے کی آواز آتی ہے) چھوٹی سرکار کالو کو آنکھ مارتا ہے ۔۔۔

کٹاری نمودار ہوتی ہے مسکراتی ہوئی۔

کٹاری :۔ آنکھ تو تم خوب مارتے ہو۔ (آنکھ مار کر مسکراتی ہے)

چھوٹی سرکار :۔ آؤ ۔۔۔ اندر آؤ

کٹاری تھرکتی ہوئی اندر داخل ہوتی ہے۔ چھوٹی سرکار دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھاتا ہے۔ کٹاری کا خفیف سا ردعمل۔

کٹاری :۔ (شرارت سے) کوئی آنہ جائے ۔ کیوں؟

چھوٹی سرکار مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتا ہے۔

باہر سے چٹخنی لگانے کی آواز آتی ہے۔ کٹاری تیر کی طرح دروازے کی جانب بڑھتی ہے۔ اندر کی چٹخنی چشم زدن میں کھولتی ہے۔ لیکن دروازہ باہر سے بند ہو چکا ہے۔ بلی کی طرح تیز تیز نگاہوں سے چھوٹی سرکار کو گھورتی ہے اور پھر لپک کر دوسرے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔ جونہی اس کے پاس پہنچتی ہے باہر سے کنڈی چڑھانے کی آواز آتی ہے۔ تیسرے دروازے کی طرف لپکتی ہے، مگر وہ بھی باہر سے بند ہو جاتا ہے۔ کٹاری اپنے اعضا ڈھیلے چھوڑ کر تھرکتی ہوئی چھوٹی سرکار کے پاس جاتی ہے اور ایک ادا کے ساتھ کہتی ہے۔

کٹاری :۔ یہ بات ہے؟

چھوٹی سرکار مسکراتا ہے۔ کٹاری پینترا بدل کر کھڑکی کی طرف لپکنا چاہتی ہے۔ مگر چھوٹی سرکار دوڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔

چھوٹی سرکار :۔ آج میں کوئی پیش نہیں چلنے دوں گا۔

کٹاری :۔ بجلی کی سی تیزی کیساتھ اپنی کٹاری نکال کر) یہ پیش قبض بھی نہیں؟

چھوٹی سرکار :- کٹاری!

کٹاری اپنی پیش قبض کو زور سے پھینکتی ہے ۔ چھوٹی سرکار کھڑکی کے آگے سے ہٹ جاتا ہے ۔ پیش قبض باہر نکل جاتی ہے ۔

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (باغ)

گلاب خاموش کھڑا ہے ۔ پیش قبض اس کے پاس گرتی ہے ۔ گلاب اُسے اُٹھاتا ہے ۔ کٹاری کی آواز آتی ہے "گلاب ۔ گلاب "

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (چھوٹی سرکار کا کمرہ)

چھوٹی سرکار کا ہاتھ کٹاری کے منہ پر ہے ۔ کٹاری گرفت سے نکلنا چاہتی ہے ۔ دونوں ایک دوسرے سے گتھ جاتے ہیں ۔ چھوٹی سرکار اس کے ہاتھ اسکی پیٹھ کے پیچھے باندھ دیتا ہے اور مُنہ میں رومال ٹھونس دیتا ہے ۔ کٹاری پلنگ پہ پڑی صرف ٹانگیں چلاتی ہے ۔ چھوٹی سرکار اسکی بے بسی پہ خوش ہوتا ہے ۔

چھوٹی سرکار :- (ہنستے ہوئے) اب کہاں جائے گی تو؟

دراز دستی کرنے لگتا ہے ۔ کٹاری ٹانگیں چلاتی ہے ۔ چھوٹی سرکار اس کی ٹانگیں پکڑ لیتا ہے ۔ کٹاری زور سے چلاتی ہے ۔ اُس کے مُنہ سے رومال نکل جاتا ہے ۔

کٹاری :- گلاب!

چھوٹی سرکار اس کے مُنہ پہ ہاتھ رکھ دیتا ہے ، ایکدم دروازہ بہت ہی زور سے کھلتا ہے ۔ گلاب تیزی سے داخل ہوتا ہے ، اور پلنگ سے کچھ دور رک جاتا ہے ۔

چھوٹی سرکار :- (حیرت سے) تم؟

گلاب :- ہاں چھوٹی سرکار!

چھوٹی سرکار :- چلے جاؤ یہاں سے۔

گلاب :- (کٹاری سے) کٹاری! چلی جاؤ یہاں سے۔

چھوٹی سرکار :- (غصہ میں) میں تم سے کہہ رہا ہوں۔

گلاب :- (کٹاری سے) میں تم سے کہہ رہا ہوں کٹاری۔

یہ کہہ کر گلاب کٹاری کو اٹھاتا ہے۔ چھوٹی سرکار آگ بگولا ہو جاتا ہے اور بڑھ کر گلاب کے چانٹا مارتا ہے۔

چھوٹی سرکار :- بدتمیز۔ چل دور ہو یہاں سے

یہ کہکے چھوٹی سرکار کٹاری کو پکڑنا چاہتا ہے، مگر گلاب چھوٹی سرکار کی ٹھوڑی کے نیچے اس زور سے گھونسہ جماتا ہے کہ وہ لڑکھڑاتا ہوا پلنگ پر جاگرتا ہے۔ گلاب کٹاری کو گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے جاتا ہے۔ پلنگ پر چھوٹی سرکار اپنی ٹھوڑی سہلاتا ہوا اٹھتا ہے اور کھڑکی کی طرف بڑھتا ہے۔

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (گیٹ) کٹاری اور گلاب کھڑے ہیں۔

گلاب :- جاؤ کٹاری!

کٹاری :- سنو تو۔

گلاب :- میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔ چلی جاؤ یہاں سے۔ (کٹاری کو دھکیلتا ہے)

کٹاری :- (ناراضگی سے) ہائے ـــــ دھکے تو نہ مارو۔

گلاب :- تم ابھی قابل ہو -

کٹاری :- اونہہ - مجھے بچا کیا لیا ہے ، سر پر ہی چڑھ بیٹھے ہو - (گلاب گیٹ بند کر دیتا ہے)

کٹاری :- (چند قدم چلتی ہے اور پلٹتی ہے) گلاب !

گلاب :- کیا ہے ؟

میں کیسی بھی ہوں ، پر تمہارے دل میں یہ خیال نہ رہے کہ میں کسی کا احسان نہیں مانتی - تم نے مجھے بچایا ہے ـــــ شکریہ !

یہ کہہ کر کٹاری تھرکتی ہوئی چلی جاتی ہے - گلاب پلٹتا ہے - چند قدم چلتا ہے - چھوٹی سرکار کی آواز آتی ہے -

چھوٹی سرکار :- گلاب !

گلاب :- (پہلے سر اٹھاتا ہے ، پھر جھکا لیتا ہے) آیا حضور !

× × × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (بڑا کمرہ)

ہم ڈزالو کرتے ہیں ـــ گلاب سر جھکائے کھڑا ہے -

گلاب :- جی حضور !

بڑی سرکار کی گرجدار آواز آتی ہے -

بڑی سرکار :- تم اگر ہمارے وفادار منشی کے لڑکے نہ ہوتے ، تو اس گستاخی کی سزا جو تم نے چھوٹی سرکار کے ساتھ کی ہے یہ ہوتی کہ ہم کھڑے کھڑے تمہاری کھال ادھڑوا دیتے

کیمرہ اب بڑی سرکار اور منشی پر بھی ہے - منشی ہاتھ باندھے کھڑا ہے ، بڑی سرکار تخت پر بیٹھے ہیں -

بڑی سرکار :- (گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر) بہت زیادہ نرمی برت کر ہم تمہیں، یہ سزا دیتے ہیں، کہ تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ ۔ منشی کا ردِ عمل ۔

بڑی سرکار :- اور پھر کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔ منشی صاحب! کیا ہم مہربان نہیں ؟

منشی :- (ہاتھ جوڑ کر) سرکار آپ مہربان نہ ہوتے تو یہ غلام اس نالائق کو پال پوس کر اتنا بڑا کیسے کر سکتا تھا مجھے افسوس ہے کہ اس سے ایسی حرکت سرزد ہوئی ۔

بڑی سرکار :- ہم نے جو سزا اس کے لئے تجویز کی ہے آپ کو منظور ہے ؟

منشی :- سرکار! میری کیا مجال ہے کہ .....

گلاب :- لیکن حضور جو واقعات ہیں کیا آپ کو ان کا علم ہے ؟

بڑی سرکار :- (ایکدم گاؤ تکیہ کی ٹیک سے الگ ہو کر) ..... نوکر کی زبان اُس کی گدی ہی میں رہنی چاہیئے ۔ اس کا تمہیں علم ہے ؟

منشی :- گلاب! تم بہت گستاخ ہو گئے ہو ۔ معافی مانگو بڑی سرکار سے ۔

گلاب باپ کی طرف دیکھتا ہے، پھر ایک نظر بڑی سرکار کی طرف، اور خاموش چلا جاتا ہے۔

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (بڑا کمرہ ۔ بیرونی حصہ)

گلاب باہر نکلتا ہے ۔ چھوٹی سرکار ایک طرف کھڑا ہے ۔ وہ مسکراتا ہے گلاب اس مسکراہٹ کا جواب دیئے بغیر چلا جاتا ہے ۔

× × × × ×

فیڈ آؤٹ

× × × × ×

بڑی سرکار کی حویلی (باغ)

مالی کیاریاں درست کرنے میں مصروف ہے۔ چمیلی بھی اس کا ہاتھ بٹا رہی ہے

چمیلی :- (تھک کر) مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا۔

مالی :- (معنی خیز لہجے میں) نہیں ہوتا تو نہ کیا کر۔ تجھے کون مجبور کرتا ہے۔

چمیلی :- ٹھیک ہے، پر اکیلے میں کیا کیا کروں۔

مالی :- جو بھی تجھے سوجھے۔ (اتنے میں منشی نمودار ہوتا ہے)

مالی :- آیئے منشی صاحب آیئے۔ (منشی آتا ہے، افسردہ ہے)

مالی :- کہیئے گلاب کا کچھ پتہ لگایا؟

منشی :- نہیں۔

مالی :- آپ کی اولاد ہے، دل پر اس طرح پتھر نہیں رکھ لینا چاہیئے۔

منشی :- کیا کروں۔ بھائی میں مجبور ہوں — (پاس بیٹھ جاتا ہے) مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔

مالی :- اچھے باپ ہیں آپ منشی صاحب!

منشی :- میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو مالی..... جب سے وہ گیا ہے میرے دل کی بہت بُری حالت..... تم سمجھتے ہو کہ مجھے اس کا درد نہیں — تم سمجھتے ہو کہ میں اسے قصور وار سمجھتا ہوں — نہیں، نہیں، نہیں —

مالی :- میں پتہ لوں گلاب کا؟

منشی :- (آہستہ سے) نہیں! (چھوٹی سرکار کی آواز آتی ہے)

چھوٹی سرکار :- مالی!

مالی :- (ایکدم کھڑے ہوکر) حضور!

چھوٹی سرکار :- ہمارے کمرے کے گلدانوں میں کل کے ہی باسی پھول پڑے بھک مار رہے ہیں — وہ ؟

مالی :- (چمیلی کی طرف دیکھ کر) حضور یہ چمیلی کا قصور ہے ۔

چھوٹی سرکار :- تو بھیجو اُسے جلدی کہ نئے پھول سجائے ۔

چھوٹی سرکار چمیلی کی طرف کنکھیوں سے دیکھتا ہوا چلا جاتا ہے — مالی معنی خیز نظروں سے چمیلی کی طرف دیکھتا ہے ۔

مالی :- جاؤ چمیلی — تازہ پھول فوارے کے پاس پڑے ہیں ۔

چمیلی آہستہ آہستہ چلی جاتی ہے — مالی پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے

مالی :- (بڑبڑاتے ہوئے) آپ نے کیوں گلاب کو جانے دیا ۔ کیا آپ کو ساری بات معلوم نہیں تھی ؟

منشی :- تم نے چمیلی کو کیوں جانے دیا ۔ (مالی چونکتا ہے)

منشی :- کیا تمہیں ساری بات معلوم نہیں ہے ؟

مالی :- (ایک دم اُٹھ کر) کیا ؟

منشی :- مجھ سے کیا پوچھتے ہو، اپنے دل سے پوچھو ۔

مالی :- بتایئے، بتایئے منشی صاحب — آپ کو کیا معلوم ہے ؟

منشی :- میں کہہ چکا ہوں اپنے دل سے پوچھو ۔

مالی :- اپنے دل سے ...... (آہستہ) میرا دل ہے کہاں ؟

منشی :- تم مجھ سے کہہ رہے تھے ۔ اچھے باپ ہیں آپ — میں کہتا ہوں کیا

تم باپ نہیں — تم نے کہا تھا گلاب آپکی اولاد ہے۔ دل پہ اس طرح پتھر نہیں رکھ لینا چاہیئے ——— میں کہتا ہوں چمیلی تمہاری اولاد ہے۔ تم نے کیوں اپنی آنکھوں پہ پٹی باندھ رکھی ہے۔

مالی :- (ایک دم خاموش اور سنجیدہ ہو جاتا ہے۔)

منشی :- جو کھیل تمہاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، انسان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہو تو بھی دیکھ سکتا ہے ... لیکن تم اتنے بے غیرت ہو......

مالی :- بس!

منشی :- میں غلام ہوں — میرا باپ دادا غلام تھا۔ صدیوں کی غلامی میرے خون میں رچی ہوئی ہے — بے قصور گلاب کو یہاں سے نکالا گیا میں اُف تک نہ کر سکا۔ اس لئے کہ مجھ میں جرأت نہیں تھی پر میں خوش ہوں کہ میرا بیٹا اس گندگی سے نکل گیا، جو کچھ دنوں سے یہاں پھیل رہی ہے۔ تم تو ایک لڑکی کے باپ ہو مالی۔ چمیلی میری بیٹی ہوتی۔

مالی :- ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔

منشی :- کیوں؟

مالی :- چمیلی تمہاری بیٹی کیوں ہے؟

منشی :- (حیرت سے) کیا مطلب؟

مالی :- میرے ساتھ اندر آؤ!

منشی :- حیرت زدہ مالی کے ساتھ چلتا ہے۔ کوارٹر تک دونوں خاموش۔ منشی کوارٹر میں داخل ہو جاتا ہے۔

بڑی سرکار کی حویلی (مالی کا کوارٹر) (منشی اور مالی دونوں اندر آتے ہیں)

مالی :- (کھاٹ کی طرف اشارہ کر کے، منشی سے، بیٹھ جاؤ!

منشی خاموش کھاٹ پر بیٹھ جاتا ہے۔ مالی کچھ دیر ادھر اُدھر ٹہلتا ہے۔ پھر ایک دم رک کر منشی سے کہتا ہے۔

مالی :- چمیلی میری لڑکی نہیں ہے منشی صاحب! (منشی اٹھ کھڑا ہوتا ہے)

منشی :- چمیلی تمہاری لڑکی نہیں ہے؟

مالی :- نہیں!

اور بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر ایک کونے میں رکھے ہوئے پلنگ کی طرف دیکھتا ہے اور ایک دم خاموش ہو جاتا ہے۔

مالی :- وہ ...... وہ یہاں لیٹی ہوئی تھی ......

منشی :- کون؟

مالی :- میری بیوی (اُسکی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں) آخری سانس تھے... بچی کی پیدائش کی جتنی خوشی ہوئی تھی، سب دُکھ بن گئی تھی ...... آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ایکا ایکی بچی دودھ کیلئے بلکنے لگی۔ میں نے کہا۔

"آخری گھونٹ تو میری بیٹی کو دیتی جاؤ ......"

یہ سن کر اُس نے مندی مندی آنکھوں سے اپنی بچی کی طرف دیکھا۔ پھر میری طرف آنکھیں اُٹھائیں۔ اور یہ خوفناک بات کہی :-

"یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے مالی"

یہ سارا کوارٹر میری آنکھوں تلے گھوم گیا۔

"وہ کس کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

اُس نے جواب دیا:-

"بڑی سرکار کی — گلا گھونٹ دو اس کا۔"

یہ سن کر مجھے کوئی ہوش نہ رہا — مجھے معلوم نہیں اس گنہگار کی کب جان نکلی۔

یہ کہہ کر مالی خاموش ہو جاتا ہے۔ منشی حیرت زدہ گم سم کھاٹ پر بیٹھ جاتا ہے۔ تھوڑے توقف کے بعد وہ گردن اٹھا کر مالی سے مخاطب ہوتا ہے ——

منشی :- تم نے گلا کیوں نہ گھونٹا اس شیطان کی بچی کا؟

مالی :- میں گلا گھونٹنے والا تھا — لیکن میرے من کے اندر ایک شیطان پیدا ہوا...... اس نے مجھ سے کہا، نہیں مالی...... اسے زندہ رہنے دو...... اس کو پال پوس کر بڑا کرو — بڑی سرکار کا ایک لڑکا ہے جوان ہو کر وہ بھی باپ کی طرح گُل کھیلے گا۔ کیا پتہ ہے کہ یہ حرام کی بچی۔ اور وہ..........

منشی :- (ایک دم چیخ اٹھتا ہے) بس! بس!!

مالی :- ابھی بس کہاں...... میں اپنے دل کے پھوڑے کو چودہ برس تک پکاتا رہا ہوں —— اب تو اس کے پھوٹنے اور بہہ جانے کا وقت ہے...........
....